

شعاع ادب

اپنی لائبریری

کالا پانی

(تواریخ عجیب)

مولانا محمد جعفر صاحب تھانوی
قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

کالایانی

(تواریخ عجیب)

جناب مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم

شعاع ادب - لاہور

ناشر: محمد حلیم

مطبع: استقلال پریس۔ لاہور

تعداد:

تاریخ: نومبر ۱۹۶۱ء

مقام اشاعت: شعاع ادب - لاہور



اس پرشہ سے بھی مل سکتا ہے

ایم بی ایس الرین بک میل، مسلم مسجد، چوک انارکلی - لاہور

سندھ ساگر اکادمی - مسلم مسجد - چوک انارکلی - لاہور

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	ابواب
۵۷	روانگی کراچی	۱۳	۹	۱
۶۰	بھٹی	۱۵	۱۳	۲
۶۲	نخاڑ جیل	۱۶	۱۷	۳
۶۴	کالا پانی کروانگی	۱۷	۱۹	۴
۶۵	انڈمان	۱۸	۲۲	۵
۷۱	انڈمان کے پہاڑی	۱۹	۲۷	۶
۷۶	انڈمان کی زندگی	۲۰	۳۴	۷
۷۹	شادی خان آبادی	۲۱	۳۸	۸
۸۰	تین جنگ حادثے	۲۲	۴۱	۹
۸۲	تجارت	۲۳	۴۳	۱۰
۸۵	دوسری شادی	۲۴	۴۹	۱۱
	دشمن چکنہ	۲۵	۵۲	۱۲
۸۷	جہان باد دوست		۵۵	۱۳

صفحہ	عنوان	اواب	صفحہ	عنوان	اواب
۱۱۱	رہائی کی امیدیں	۳۳	۹۱	ہندوؤں کی ناکام چڑھیں	۲۶
۱۱۲	حضرت مولانا احمد اشرف	۳۴		مولوی محمد حسن صاحب	۲۷
۱۱۳	صاحب کا امتحان		۹۵	کی تشریف آوری	
۱۱۶	زبانِ ربانی	۳۵	۹۶	لارڈ میروگورڈز جرنل کا قتل	۲۸
۱۱۹	پدھت بلیر پر آخری نظر	۳۶	۱۰۱	میں نے انگریزی سیکھ لی	۲۹
۱۲۵	سواوہند کو روانگی	۳۷	۱۰۳	مغربی غلام کا مسلمانہ اثر	۳۰
۱۳۱	وطن پہنچ کر	۳۸		مہاجرین کے خلاف سرکام	۳۱
۱۳۴	خاتر	۳۹	۱۰۶	کا اعلان جنگ	
۱۳۹	حالات مولانا یحییٰ علی صاحب	۴۰	۱۰۹	اولاد	۳۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

میری واپسی انگلستان کے بعد ہر ایک دوست نے جس سے میری ملاقات ہوئی میری قید بست سالہ اور سفر اور امن جزائر کی کیفیت پر پچھنی شروع کی تو ہر شخص کے روبرو ایک بست سالہ قمار بیخ کلابان کرنا و شوار سمجھ کر کچھ مزوری ضروری حالات و واقعات جو اس مدت میں سال میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھ دیتا ہوں کہ ہر سائل اور مستفسر کے روبرو اس کو پیش کر دوں۔

جب اپریل ۱۸۵۷ء میں میں نے توارنچ پورہ میں بلیر مسٹی پر تارنچ عجیب دکھی تھی اس کے تھوڑے روز پہلے میری درخواست رہائی بڑے شد و عد سے حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند سے نامعلوم ہو گئی تھی جس سے اکثر حکام بلکہ خاص و عام کو یقین ہو گیا تھا کہ اس قید فرنگ سے میری رہائی کبھی نہ ہوگی۔ لیکن میں رخصت الہی سے نوید نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے دیا چر کتاب مذکور میں یہ لکھا تھا کہ دنیا بامید قائم ہے۔ دیکھئے

پروا غیب سے اور کیا ظاہر ہوتا ہے بلکہ اخیر و باہر میں ناظرین کتاب مکرر
 سے یہ بھی انتہا کی تھی کہ وہ میرے حق میں دعا کریں کہ ہماری سرکار وحدت شمار
 ان ننگ و حر ننگ خجلیوں کی محبت سے مجھ کو تے تاکہ جلد ثانی اس کتاب
 کی ہند میں حاضر ہو کر اپنے ملک کی بولی میں ناظرین کی تندر کر لیں۔ سو اس تحریر
 حل سوز کو ابھی تنویر سے دن نہ ہونے تھے کہ خود بخود بلا میری درخواست
 کے بعد وہ بھی لارڈ بن صاحب بہادر کی زبان سے بطور میری رٹائی کلمہ ہو گیا۔
 میری پہلی کتاب تاریخ عجیب کا نام بھی تاریخی ہے اور اتفاقاً حسنہ
 سے ایک حرف کے زیادہ کر دینے سے اس چھوڑ میں کی بیشی پور کر کے
 اس کا بھی تاریخی نام تو تاریخ عجیب رکھا گیا۔ گویا یہ وہی جلد ثانی ہے
 جس کے مشتہر کرنے کا ہند میں پہنچنے کے بعد وعدہ تھا۔ اب ناظرین
 باو تار کی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے اس کتاب کو بھی بطور روزنامہ
 روز مرہ بول چال میں لکھا ہے اور دوسرے لوگوں کے مقولوں اور قصص
 کو جہاں تک مجھے یاد ہے بچتہ ہو ہو نقل کیا ہے۔ مگر اس پر بھی جہاں
 کہیں بہت فائدے بشریت مجھ سے کسی بیشی ہوئی ہو تو خداوند عالم غیب
 مسافری کرے اور صاحبانِ کتب میں اور اہل علم سے امید ہے کہ جہاں کہیں
 غلطی پادیں قلم حق سے صلیح کر دیوں۔ اور میرے حق میں دعا کریں کہ
 جیسے اس مملکتِ عظیم قید فرنگ سے مجھ کو نجات بخشی ایسے ہی وہ رب
 کریم مراد دلی پوری کر کے ساتھ خاتمہ خیر کے اس مملکتِ عظیم ذیل سے بھی نجات
 دیوے آمین تم آمین۔ و ما توفیق الا باللہ و علیہ توکلت والہ اعین

وَقَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَحَبُّ النَّاسِ أَنْ يُؤْذَرَ كَإِنْ يَكُونُوا آمِنًا
وَهُمْ لَا يُفْسِدُونَ وَكَفَلْنَا لَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَيُعْطِمْ اللَّهُ إِلَيْكَ
صَدَقُوا وَنَعْلَمَنَّا أَنكَ لَا تَبِيعُ بَيْنَ مَرْجَمٍ - فرمایا خداوند تعالیٰ نے کیا گمان
کیا ہے لوگوں نے کہ فقط منہ سے کہنے پر کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں چھوڑ دیے
جائیں گے اور وہ نہ آزمائے جائیں گے البتہ آزمایا تھا ہم نے ان لوگوں
کو جو پہلی امتوں کے تھے پس اب بھی بعد از مالیش کے اللہ ظاہر کر دیوے گا
کہ کون نیچے مسلمان ہیں اور کون چھوٹے ہیں ۔

جہاں تک مجھ کو علم ہے اس مقدمہ میں ہم لوگوں کی گرفتاری بھی سب
مشارایت دی اس آیت کے نقطہ سچے اور چھوٹوں کی پرکھ اور آزمائش کے
واسطے تھی ۔ درود وعدہ حق موجود ہے ۔ وَ لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا - پس اگر یہ سبب آزمائش کا نہ ہوتا تو
کبھی بھی سرکار انگریزی کے ماتحت سے ہم کو صدر نہ پہنچتا اور جو جب مشار
حدیث نبوی کے یہی تھی الرجل علی حسب دینہ یعنی ہر آدمی بقدر
استعداد اپنے ایمان اور دین کے آزمایا جاتا ہے ۔ اس مقدمہ میں بھی
دعوتے داران محبت یاری تعالیٰ کو جن کو دعوتے ایمان کا تھا بقدر استعداد
اپنے ایمان کے جانچا گیا اور چھوٹے اور سچے سب ظاہر ہو گئے ۔ پس یہ
کتاب گویا اس آیت فکرہ بالہ کی تفسیر سمجھنی چاہیے ۔ لہذا میں بعد قائم
کرنے اس تمہید کے اب اصل مقدمہ کو شروع سے اخیر تک بیان
کرتا ہوں ۔ اگر ناظرین اس آیت اور حدیث کے مضمون کو برابر خیال رکھیں

تو ان کو اصل اسرارِ مکتوتہ اس توارِ تیج کے خود بخود ظاہر ہوتے چلے جائیگی
 لیکن ان کے سمجھنے کو ایمان و درکار ہے۔ میں خود اپنی کم ظرفی اور بے استعدادی
 اور ضعیف الایمانی کے سبب احساسِ مقدمہ میں ہزاروں اسرارِ مکتوتہ کو
 سمجھ نہیں سکا۔

باب (۱)

ابتدائے عشق

آخر سن ۸۶۳ء مطابق سن ۱۲۸۰ھ ہجری سرحد غربی ہند پر ملک یاخستان
میں خود سرکار انگورزی کی زبردستی سے ایک جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ جنرل
چیمبرلین صاحب اس جنگ کے سپہ سالار تھے۔ ایسٹ کی گھاتی میں جا کر فوج
سرکار کو بہت تکلیف ہوئی۔ بیگانے ملک میں سرکار کی مداخلت بے جا کے
سبب سے تو عبدالغفور صاحب اتخند سوات بھی اپنے بہت سے مریدوں
کو ساتھ لے کر آمو جوہ ہوئے۔ مکی خوانین اوما قتال چاروں طرف سے
اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے۔ قاتلہ مجاہدین جن کی سرکوبی
اور نیست و نابود کرنے کو ہماری سرکار چڑھی تھی اب رہ گیا اب یہ دعوائے
مخالفت خود اختیاری کہیں و ناکس سرکار کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ مجاہدوں
نے بھی برتنائے حصول شہادت واد شجاعت دے کر اپنے جوہر دکھائے۔
غرض دو تین چھینے تک خوب جنگ ہوتی رہی۔ خود جنرل چیمبرلین صاحب
مجدوح شدید ہوئے۔ قریب سات ہزار کے کشت و خون کی نویت پہنچی۔
تمام پنجاب کی چھاؤں کی فوج کھینچ کر سرحد پر بھیجی گئی۔

امدعریہ گرماگری تھی اوس لارڈ وائلیٹ صاحب دائرے من چبے کے
پہاڑ پر اپنی اس حرکت اور زبردستی چھیڑ چھاڑ پر نام ہو کر ایک ایک کر کے

ہندوستان بے گورنر ہو گیا۔ ایسے نازک وقت میں ۱۱ دسمبر ۱۸۶۳ء مطابق ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۸۲ھ بمطابق جمادی الثانی ۱۲۸۲ھ کو ایک سوار پولیس تعینہ چلکی پانی پت ضلع کرنال مسی غزن خان نام ایک ولایتی افغان نے کسی ذریعہ سے میرے حال سے واقف ہو کر اور ایسے وقت میں اپنی دیوی بھلائی کا موقع جانی کہ ایک بڑی لمبی چوڑی اور جھوٹی کیفیت خیر خواہانہ کے ساتھ بھنور صاحب ڈپٹی کمشنر کرنال کے حاضر ہو کر یہ خبری کی کہ یہ جنگ جو ہندوستانی مجاہدوں کے ساتھ سرحد پہ ہو رہی ہے۔ ان لوگوں کو محمد حیدر نیر دار تھا نیسرو پور اور آدمیوں سے مدد دیتا ہے۔ خیر فی ثنی کمشنر کرنال نے یہ دہشت ان سٹن کر بند لیہ تار برقی ضلع ابراہیم کو جس کی حدود ارغوی کے اندر ہمارا شہر تھا نیسرو واقع ہے خبر پہنچ دی۔ ادر ہر خبر بخبری کر کے باہر نکلا تھا کہ ادر ہر ہمارے ایک دوست ڈپٹی کمشنر صاحب کرنال کی ملاقات کو ان کے تنگ پر پہنچے جن سے عندالہ تکرہ صاحب موصوف نے ذکر اس خبری کا بھی کیا۔ جب بعد التفراغ ملاقات کے یہ صاحب ہمارے دست اپنے ڈیرے کو تشریف لاتے تو انہوں نے مسی کا نام ایک اپنے نوکر سے جو میرا ہمراہ تھا بطور افسوس حال اس خبری کا بیان کیا۔ مذکور یہ حال سٹن کر اسی وقت اس کی خبر کرنے کو تھا نیسرو ڈر پٹا۔ لیکن خوبی تقدیر سے کچھ زیادہ رات گئی یہ شخص تھا نیسرو میں پہنچا اور سب سے پہلے میرے مکان پر آیا۔ مگر میں اس وقت گھر کے اندر جا کر سو رہا تھا۔ وہ اس وقت رات کو ہمارا دروازہ بند اور ہم کو سوتے دیکھ کر ایسے آرام کے وقت میں ہم کو تکلیف دینا مناسب جان کر

اپنے دل میں سوچا کہ فجر کو خبر کر دوں گا۔ ادھر تقدیر اس کو دروازے پر سے
 ٹٹائے گئی۔ اب ادھر انبالہ کی کیفیت سنئے جب انبالہ میں یہ تاریکی خیز پہنچی
 تو ایک وارنٹ میری خانہ تلاشی کا جاری ہوا اور کپتان پارسن صاحب ٹرنٹ
 سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک جماعت کثیر پولیس کی سات لے کر راتوں رات
 میرے مکان پر پہنچے۔ یہاں قدرت الہی کا تماشا دیکھئے۔ ایک ہی وقت میں
 دو آدمی کمرال سے مجھ کو خبر دینے کو اور دوسرا انبالہ سے میری خانہ تلاشی کو
 روانہ ہوئے۔ کمرال والا جو میرا خیر خواہ تھا پہلے پہنچا اور کچھ نہ کر سکا۔
 چاک کو تقدیر کے حکم نہیں گزارو

سو نہ بدیر گر ساری عزیمتی ہے
 مگر یہ دوسرے صاحب بوقت تین بجے رات کے میرے گھونچ گئے
 پہلے چاروں طرف سے میرے مکان کو گھیر لیا اور پھر مجھ کو باہر بلایا میں نے
 باہر جا کر دیکھا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس معہ وارنٹ خانہ تلاشی کے میرے دروازہ
 پر موجود ہیں۔ انہوں نے اول مجھ کو وارنٹ دکھلایا بعد ازاں کہا کہ آپ اپنے
 مکان کی تلاشی دو۔ اس وقت میں سمجھا کہ وال میں کالا ہے۔ تب میں نے
 چائے کا دل تلاشی میرے گھر کے اندر کی ہو تو بہتر ہے تاکہ بیٹھک میں جو
 بلا کا بھرا ہوا خط رکھا ہے کسی طرح پولیس کے ہاتھ نہ آوے۔ لیکن ہونی
 کون روک سکتا ہے۔ باوجود اس کے صدر دروازے کے اندر داخل ہو کر میری
 دہلیز میں سراسر اندھیرا تھا اور مکان بیٹھک کا جو اس دہلیز کے جانب شمال میں
 تو بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب اسی بات پر مہر ہوئے کہ پہلے بیٹھک ہی کی

تلاشی کی جاوے۔ اس وقت بیٹھک میں رہانے کے واسطے دو دروازوں کا
کھلوانا ضرور ہوا جو اندر سے بند تھے۔ میں نے چالاک کی سے منشی عبد الغفور کا
نام لیا جو اس کے اندر سچ اور چند آدمیوں کے تھے (پکار کر باواز بلند کہا کہ نہ ٹنڈنٹ
تلاشی کے واسطے کھڑے ہیں تم جلد دروازہ کھول دو۔ اور اس کہنے سے میری
یہ غرض تھی کہ کسی طرح وہ لوگ تلاشی کی بات سمجھ کر دروازہ کھولنے سے پہلے
اس ترسریلے خط کو چاک کر دیوں۔ اس میری پکار کو صاحب پسر ٹنڈنٹ
سمجھ کر مجھ کو مانع بھی ہوئے مگر میں کہاں متنا تھا۔ لیکن تقدیر بھاڑنے
دیوے تو بھاڑا جاوے۔ اُن اندر والوں نے مارے گھبراہٹ کے میرے
اشاروں کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور دروازہ کھول دیا۔ اب بیٹھک میں تلاشی
ہونے لگی۔ اور وہی خط جس کا ڈر تھا سب سے پہلے پولیس کے ہاتھ میں
آیا اور اسی شام کو اس کی گرفتاری سے فقط چھ گھنٹے پہلے تقدیر نے وہ خط
میرے ہاتھ سے اکھوڑ رکھا تھا۔ وہ خط امیر قلعے کے نام تھا۔ احمد اس میں
صلطیحی لفظوں میں چند ہزار اشرفیوں کی روانگی کا ذکر تھا۔ اس کے سوا اور
بھی چند خطوط پارینہ آند ٹنڈنٹ و مرسلہ محمد شفیع انبالوی پولیس کے ہاتھ لگ
گئے گو ان خطوں میں کوئی ایسا مضمون مضر نہ تھا مگر اُن سے پولیس کو یہ پتہ
مل گیا کہ محمد شفیع انبالوی اور اہل ٹنڈنٹ کی تلاشی اور تفتیش بھی ضروری کرنی
چاہیے۔ منشی عبد الغفور باشندہ ضلع گیا ملک بہار جو میرے ہاں محرمی کا کام
کرتے تھے اور عباس نام ایک بنگالی لڑکے کو بھی جو میری بیٹھک میں رہتے
ہوئے ملے تھے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ گو میری نسبت بھی پولیس کو شک تو

ہو گیا تھا لیکن بوجہ نہ ہونے وارنٹ گرفتاری کے اور بلا حصول منظوری عدالت کے جیسے مقدمات میں بہانہ زدی ہے اہل پولیس مجھ سے اس دم کچھ مزاحم نہ ہوتے۔

باب (۲)

فرار

جب پولیس میرے گھر سے چلی گئی تو یہ بات غور طلب ٹھہری کہ اس وقت مجھ کو کیا کرنا چاہیے میں نے بخیاں اس شہادت و ثبوت کے جوٹن کو میرے گھر سے مل گئے تھے اور اس غصہ کے وقت کو جو تازہ جنگ مرحہ سے سرکار پر چڑھا ہوا تھا ٹال دینے کی غرض سے اس وقت اپنا فرار ہو جانا اور اس نامردی سے جان کو بچانا مناسب جانا۔ مگر میں پولیس کی حراست میں نہ تھا مگر دس چاروں طرف میرا سراغ لگائے ہوئے تھے میں نے اپنی والدہ ماجدہ سے جو اس وقت زندہ موجود تھیں اور اپنی بیوی سے سلام لے کر اور ان کو اپنے فرار پر راضی پاکر یہ حادثہ کھیل کر میں ۱۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اپنے شہر سے روانہ ہو کر اول موضع پہلی میں جہاں تحصیل اور تھانہ وغیرہ ہے آیا اور وہاں ملازمان تحصیل اور پولیس سے بھی رائے لی کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہیے سب نے باتفاق یہ رائے دی کہ تم انبالہ کو جاؤ اور وہاں سے دریافت کرو کہ یہ کیا مقدمہ ہے اور کس نے یہ مجبوری کی ہے

غرض یہ سب مصلوح اور مشفق ظاہری ان سب سے کر کے جس بوقت شام بارہ
 سڑک کھان پہلے سے انبالہ کو روانہ ہوا۔ اس وقت بہت سے آدمی چشم محبت
 اور افسوس سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جب میں ایک گھوڑے پر سوار
 ہو کر چلا کر کسی کو یقین ہو گیا کہ میں انبالہ کو جاتا ہوں، جب تک دن کی روشنی تھی
 میں بارہ سڑک کو سڑک انبالہ کو چلا گیا کوئی ایک میل بعد ہستہ چلنے کے بعد خوب
 تاریکی ہو گئی اور مسافر بھی دور دور تک نظر نہ آتے تھے اس وقت میں سڑک انبالہ
 کو چھوڑ کر جنگل کی راہ سے ایک معتد رحبہ پر اپنی زمینداری کی زمین
 میں تھا نیس کے متصل قریب ایک بچے نات کے پہنچ گیا۔ جب میں وہاں
 پہنچا میں نے دیکھا کہ میری والدہ اور بیوی بچے اور میرا بھائی محمد سعید وغیرہ میری
 آخری ملاقات کے واسطے وہاں حاضر ہیں۔ خیر میں اپنی والدہ سے آخری ملاقات
 کر کے اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بسواڑی ایک عمدہ بھلی کے صبح چلے
 رہی ۳۲ کو س باقی پت پہنچا۔ میں باقی پت شہر کے اندر نہیں گیا سڑک پر سے اپنے
 بیوی بچوں کو رخصت کر دیا۔ اس وقت میں جس کسی سے رخصت ہوتا تھا بھد کو
 اس زندگی میں اس سے دوبارہ ملنے کی امید نہ تھی۔ اس بھلی گڈ مار سے میں نے
 کہا دیا تھا کہ میری جود و بچوں کو باقی پت میں چھوڑ کر تم میری بھلی جہنا پار چلے جانا۔
 یہ بھلی سہ جوڑی بیلوں کے جوہن سو روپہ سے کم قیمت کے نہیں ہیں ہم نے تم
 کو اس قیمت پر بخش دی کہ تم کسی شخص کو ہمارے بانی بچوں کا پتہ نشان نہ دینا اور
 جب تک یہ سڑک گرم رہے تھا نیس کو نہانا۔ جس وقت ٹڈک خانہ باقی پت کے
 سامنے میں ساری عمر کے واسطے اپنی جود و بچوں سے جدا ہوا اور میرا کچھ ان کے

سے اپنی تدبیر پر ایسا نازاں تھا کہ تقدیر کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ اب مجھ کو ہمیں
چھوڑ کر پولیس: ہذا کی کارروائی کو سنبھالنے۔

بارہویں دسمبر کو جب ہینرٹسٹنٹ پولیس میرے خطوط اور آدھوں کو
جو میرے گھر سے ملے تھے انہما کو لے گئے تو ان کو دیکھ کر بعد حصول منظوری
گوڈنٹسٹ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا، وہی پارسن صاحب دوسرے
دن میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر تھا نیس آیا اور مجھ کو وہاں نہ پا کر شہر میں
آفت مچا دی بسینکروں گھروں کی تلاشی ہوئی پچاسوں مرد عورت پکڑے گئے
میری بوڑھی والدہ اور میرے بھائی محمد سعید کو خاص وقت صرف بارہ تیرہ بیس
کا تھا اور اس کی بیوی کو قید کر کے ان پر سخت عذاب اور مار پیٹ شروع کی
اور ایسا ظلم اور بے عزتی عورت پر وہ نشین کی ہوئی کہ جس کو سن کر دل کانپ
جاتا ہے۔ میری بیوی کے پکڑنے کو بھی کو ایک دوڑ پانی پت کو گئی مگر مولوی
رضی الاسلام صاحب کی جو ائمہ والدہ کی دیر سے میری عورت بچ گئی خیران
مار کھانے والوں میں ایک میرا بھائی محمد سعید نہایت کم سن اور لذت ایانی اور
ثابت قدمی سے سرا سر بے بہرہ تھا، اس سخت مار پیٹ کو نہ اٹھا سکا اور ڈر گیا
اور اپنی جان بچانے کے واسطے بول اٹھا کہ میرا بھائی دہلی کو گیا ہے۔ یہ خود میری
غلطی تھی کہ ایسے اہم ناز پر ایک نابالغ بچہ کو آگاہ کر دیا تھا جس کا نتیجہ میری
گرفتاری ہوئی۔ اسی وقت پارسن صاحب میرے بھائی کو ساتھ لے کر بسواری
ڈاک مہلی پہنچا۔ اور ہر پنجاب میں میری جا بجا تلاش شروع ہوئی دس ہزار روپے
کا ہشتاد میری گرفتاری کے واسطے جاری ہوا۔ یکمب انہما میں محمد شفیع کے مکان

کی بھی تلاشی ہوئی۔ اتفاق سے اُس وقت محمد شفیع لاہور میں موجود تھے یہاں ان کے بھائی محمد نسیم اور مولوی محمد تقی و منشی عبدالکریم ان کے کارندے گرفتار کیئے گئے اور ان کو ڈرایا گیا کہ اگر تم سب بحال نہ بنلاؤ گے تو تم کو پھانسی دی جائیگی۔ جان کے ڈر سے محمد نسیم حقیقی بھائی محمد شفیع کے اور مولوی محمد تقی صاحب بڑے پیمانے پر کارندے اور واعظ جامع مسجد محمد شفیع پر گواہ ہو گئے اور جو پولیس نے اسی کو کھڑایا سو گواہی دے کر اپنی جان بچائی اور منشی عبدالکریم جنہوں نے حب تعلیم پولیس گواہی نہ دی تھی بلا قصور محمد شفیع کے ساتھ دائم قحبس ہو گئے۔ اور پارسن صاحب نے دہلی میں پہنچ کر آفت مجاہدی۔ سراؤں اور شہر کے دروازے بند کر دیے ہزاروں آدمیوں کی تلاشی ہوئی بچا سوں آدمی پکڑے گئے۔ اسی پکڑ دہکڑ میں پارسن صاحب کو یہ پتہ مل گیا کہ میں ظلال مشکوم میں سوار ہو کر فرار وقت معہ دو دوسرے آدمیوں کے علی گڑھ کو گیا ہوں۔ تب اسی دم بندیلو۔ برقی میری گرفتاری کے واسطے علی گڑھ توجہ دی گئی۔

باب (۳)

گرفتاری

خوبی تقدیر سے علی گڑھ میں جو میرے گھر سے قریب دوسریل سٹے ہیں میرے وہاں پہنچنے کے وقت یہ خبر تار پہنچی تو اسی وقت بربطک پولیس نے آکے ہم کو گھیر لیا اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ علی گڑھ کے بلکے پر چلے

اُس نے مجھ کو مجسٹریٹ صاحب کے پاس بھیج دیا جہاں سے میں اور میرے بھائی
 ہمراہی تھے آئے جواب ثنائی تیار کے حالات میں رکھے گئے۔ اسی دن شام کو جب
 میں تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا بائیں صاحب وہاں پہنچ گئے اور مجھ کو قید میں
 دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ اس کو پھانسی گھر میں بڑی حفاظت کے
 ساتھ بند کر دو۔ اسی دم میں ایک بڑی کھڑی تنگ دھار ایک میں بند کیا گیا۔
 اور دو تین پہرے اس کے چوگرد مقرر کر دیے گئے۔

اب پھانسی گھر میں بند ہو کر مجھ کو عقل آئی کہ یہ قرار اور خیر تدبیر خداوند
 تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تھا۔ اور پھر میں آخر تک دیکھتا رہا کہ اس قرار سے یہ
 تقدیر بہت بھاری ہو گیا تھا اور خود نکال دینا مجھ کو یا میرے عزیزوں اور والدین
 کو پہنچی وہ سب اسی قرار تا بکار کا ثمرہ تھا۔ عاشقی کر کے جانے کے وقت میرا
 سے بھاگ جانا عداوتوں کا کام نہیں ہے۔ بقول حافظؒ
 بیگانہ راجہ کار بود در بلائے غم
 آن داور مد کہ خاص بود آشنائے ما

جب بوقت شب بتعام علی گڑھ مجھ کو پہرہ والوں نے پوچھا کہ پھانسی
 والے مجرم پر بھی صرف ایک پہرہ ہوتا ہے تم ایسا کیا قصور کر کے آئے ہو کہ
 جس سے تم پر تین پہرے لگائے گئے۔ میں نے کہا کہ میں جس شخص کا غلام تھا
 ہے اُس کے حکم کے بھاگ آیا ہوں اس واسطے وہ غصہ ہے اور مجھ کو راہ سے
 پکڑ لیا۔ سب سے پہلے جیل کا کھانا مجھ کو اس جیل میں ملا۔ دو روٹی اور تھوڑا سا
 ساگ میرے حوالے کیا گیا۔ ساگ میں تو سوائے مونے مونے ڈھنڈھلوں کے کچھ ہی کا

نام نہ تھا جس کی کچھانا بھی نہ تھی اور میں تریچ تھا قی کے بالو مٹی کی بقیہ خیر خدا کا حکم کے
 تھوڑا بہت اُس میں سے کھایا۔ پھر اس کے بعد اکثر جیل خانوں میں میں نے
 وقتاً فوقتاً رہ کر دیکھا تو سب جگہ قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا کیونکہ قیدیوں کو
 دراصل خود کھانے کا ملحق ہے جس سے اُن کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب اُن کو گھوڑوں
 پیسنے کے واسطے دی جاتی ہے تو وہ مارے جھوک کے سیروں گھوڑوں چبا جاتے
 ہیں یا کچا آٹا پانی میں گھول کر پیتی جیتے ہیں اور آٹے کا وزن پودا کرنے کے واسطے
 آٹے میں مٹی بالو ملا دیتے ہیں اور اسی طرح جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا
 ہوتی ہے اُس کو تو فروخت کر دیتے ہیں یا جیل کے عہدہ دار کھا جاتے ہیں تاکہ
 ڈنٹھل جن کو جانور بھی نہ کھاویں گنڈاسوں سے کاٹ کوٹ کر قیدیوں کے واسطے
 پکا دیتے ہیں، وہ بھوکے اسی کیفیت جانی کر ٹانھوں ہاتھ اڑا جاتے ہیں۔ گو ٹوادر
 قیدیوں کو دو ایک دن اس کے کھانے میں ایذا ہوتی ہے۔ مگر جب عذاب الجوع
 اُن پر مسلط ہوتا ہے تو پلاؤ توڑے سے بھی زیادہ اُس میں مزہ پاتے ہیں اور کھا
 جاتے ہیں کیونکہ دنیا میں اصل مزا بھوک کہے۔

باب (۱۲)

استحالی عشق

دوسرے دن پارس صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی
 بساوی شکرم دہلی کو روانہ ہوا۔ شکرم میں سوار کرنے کے پہلے مجھ کو بڑی جھکڑ

طوق پہنا کر اور طوق میں بیلور باگ ڈور ایک اودر زنجیر ڈال کر اور اس کا سرا ایک
 مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور
 پارسن صاحب اور دوسرا انسپکٹر پولیس میرے داینے بائیں بغیرے ہوئے
 پستول کی جوڑیاں لے کر اور میرے بدن سے بدن ملا کر چھو گئے۔ اس کے سوا
 پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم خدا بھی حرکت کر دے گے
 تو میں اس تمہیچے سے تم کو مار دوں گا۔ چلی گلاحت سے چل کر وہی تک کھانا پینا تو
 دکانا کسی سخت منہ زدی حاجت کے واسطے بھی ہم نہ آتا رہے گئے جب نہ
 کا وقت آتا تھا تو میں جلب اجازت تیمم کر کے بیٹھنے بیٹھنے اشاروں سے نماز
 پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بند ستود چلی جاتی تھی اور وہ چپ چاپ میری ناز کا تماشا
 دیکھ کر تے تھے۔ آخر بعد عیدیت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم
 دہلی میں داخل ہوئے جہاں مے جا کر زینب بگم ڈسٹرکٹ پرنسپلٹنٹ پولیس دہلی
 کے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ درگور بند کر دیا دوسرے دن دہلی سے کرنال اور پھر
 کرنال سے انبالہ ہم کو لے گئے۔ جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی
 اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینوں آدیسوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے مین پھانسی گھڑوں
 میں بند کر دیا جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے۔ دوسرے دن فجر کے
 وقت پارسن صاحب پرنسپلٹنٹ اڈیٹر و منقیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل
 پولیس اور کپتان ٹانی صاحب ڈپٹی کسٹرن انبالہ مثل یا حوج یا حوج کے میری
 کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سبب حال تباہ و تہوار سے
 واسطے بہت بہتر ہو گا۔ میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارسن

صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا جب میری مار حد کو پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹھانی صاحب آمد و تحفیل صاحب کو ٹھری سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دی مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میرے ذمے کچھ رمضان کے روزے باقی تھے دوسرے دن سے میں نے ان کی قضا کوئی شروع کر دیا دوسرے دن جب میں روزے سے تھا علی الصبح پارس صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کی مگر تھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی نگہی میں بھلا کر ٹھانی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بیگلے پر لے گیا۔ جہاں پر وہ مولوں صاحب یعنی ٹھانی صاحب اور میجر و تحفیل صاحب بھی موجود تھے اس دن انہوں نے میری ڈپٹی چا پولیسی کی اور کہا کہ ہم تحریر یہ عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے خسر کا ملازم جان بھاد کو قبلہ تو تم کو سرکار کی گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہد وہی دیوں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو چھانسی ہوگی۔ میں نے اس چا پولیسی پر بھی انکار کیا تو پھر پارس صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں سے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک بکھوں آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شانہ کسی پر ہوئی ہو لیکن بفضل الہی میں سب سہا گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم وفا کرتا جاتا تھا کہ اسے رب ہی وقت امتحان کہے تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیں۔ جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بدستار بکے رات کے

مجھ کو جیل خانہ کو دلپس بھیج دیا۔ میں تمام دن روزے سے تھا، بنگلہ سے باہر نکل کر
 وضت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا
 تھا اس کو کھا کر اور شکر الہی کر کے سو رہا۔ جس دن میں ٹانگی صاحب کے بنگلہ پر اس
 مار پیٹ کی لذت بنگلہ کے اندر اٹھارہ تھا اس وقت منشی حمید علی صاحب تھا اپنی
 تحصیل دار نمائند گٹرہ مرحمت اس قصور پر کہ اس نے میری گرفتاری سے چند برس
 پہلے اپنے کسی دنیوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور صفت علم کھیری نے جو اس
 کے دشمن تھے اس خط کے معنی غلط بیان کر دیے تھے جس پر وہ غریب مغرز
 عہدہ دار محفل ہو کر باہر آمدہ میں غمگین بیٹھا۔ میں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی
 تکلیف بھول گیا اور یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے سزا ملانی کو فقط ایک خط لکھنے
 پر یہ بیچارہ بے گناہ بھی پکڑا گیا۔ اگر اس کے بدلے بھی مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ
 رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ میں اپنی اس حالت زار میں اس کے واسطے بہت
 دعا کرتا رہا، فضل الہی سے وہ ناکردہ گناہ آخر بری ہو کر پھرا پنے عہدہ پر بحال ہو گیا
 اور اب تک اہل درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے۔ اس تانچ کے بعد پھر مجھ
 کو کبھی شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی۔

باب (۵)

گواہ گردی

جب میری طرف سے تعلق مایوسی ہو گئی۔ تو محمد رفیع اور مولوی محمد تقی کو

جو میری طرح سے قید میں تھے جنس فرما کر دیا کو دیا۔ انہیں کے بیان سے بے چارہ محمد شفیع جس کو اس مقدمہ سے بہت نفور تھا ملحق تھا لاہور سے پکڑا آیا۔ پھر انہیں کی لاہوری سے پارسن صاحب پٹنہ کو گیا۔ جہاں الیشری پشاور نام ایک ملازم پولیس اور مسٹر ٹیلر سابق کشتہ پٹنہ جو سٹیشن میں مولوی حمید اللہ صاحب خیر موحدوں کو بے قصور نظر نہ کرنے کے قصور میں برخواست ہو گیا تھا۔ اس کے ٹڈا ہو گئے جن کی غیبت سے اس نے مولوی بھٹی علی صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب والہی بخش و میاں عبدالغفار کو گرفتار کر کے انبارہ کو بھیجا۔ اور پھر پارسن صاحب بنگال کو گیا۔ جہاں جگہ جگہ بہت لوگوں کو گرفتار کیا۔ اکثر لوگ تو لاکھوں تراروں روپیہ سوچ کر کے رہا ہو گئے اور بہتوں کو پھانسی دینے کی دھمکیاں دے کر گواہ بنایا۔ صرف ایک تافنی میاں جان ساکن کمار کھلی ثابت قدم رہے۔ جو گرفتار ہو کر انبارہ کو آئے۔ بصیر الدین و علاء الدین سولہ سالانہ دہلی اور بہت سے دوسرے لوگ دہلی سے بھی گرفتار ہو کر آئے۔ پشاور سے لے کر مشرقی و شمالی کنڈ بنگال۔ تک شاید کوئی مالک مسلمان یا مولوی و نمازی باقی رہا جس کو ایک دفعہ پولیس نے پکڑ کر بقدر وسعت اس کے اپنا اتھ گرم نہ کر لیا ہو۔ غرض اس جھوٹے میں و سب سے پرہیزگار تک بڑی پکڑ دیکھ رہی صد ہا آدمیوں کو ڈھانڈا سکھلا کر گواہ بنایا۔ اس پارسن گروہی کے دور میں وہ بے چارہ جینی تھا میری بھی جیب دہلی سے اشرفیاں لے کر ٹوٹا چلا آ رہا تھا۔ پکڑا گیا اور کل اشرفیاں ضبط کر کے بے قصور ہمارے ساتھ ہی دائم محبس ہو گیا۔ اس مقدمہ میں ہم نے دیکھا کہ بڑے بڑے صاحب لوگوں نے قانون و آئین سب طاق پر

دکھ دیا تھا اور ایشری پرشاد وغیرہ ہندو مسلمان نے اپنے قائد سے کے واسطے اس مقدمہ کو رشتی سے سانپ اور مانی سے پہاڑ بنا دیا اور ہم لوگوں کو بنا کر نہیں لین یا مہدی سوڈانی مافرمنی دشمن دولت انگلشیہ کا ٹھہرا کر اپنا مطلب نکالنا چاہا چنانچہ ایشری پرشاد وغیرہ جو نہایت ادنیٰ عہدے پر تھے، ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ہو گئے اور بڑی بڑی زمینداری اور جاگیر و حوکہ دے کر سرکار سے لے لی اور غرض خاں نے تو ایک محض جھوٹا قصہ اپنے بیٹے کے قائد کو بھیجنے کا گھر کر ایک دو گالوں جاگیر سرکار سے لے لیے اور اخیر سلطانہ سے دس برس تک بہار ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔ صد ہا مسلمان مارے خوف، کے گھر بار چھوڑ کر عرب وغیرہ ملکوں میں جا بسے خود غرضوں اور خوشامدیوں اور ہمارے مدعی اور دشمنوں نے خوب دل کے چاؤ نکالے۔ دس برس تک اخباروں میں سوائے اس قصہ اور بحث کے کوئی دوسری بات کم ہوتی تھی۔ ایک محکمہ گناہ شاہدوں کے اس وار و گیر کے واسطے برسوں تیار رہا جس کو چاہا پکڑ لیا اور جو چاہا رشوت لے لی اور جس نے نہ دی اس پر ان معمولی گواہوں سے گواہی دلا کر قائم الجس کر دیا چمبر لین صاحب اس وار و گیر دہائیوں کے کشن ہو کر راولپنڈی ہی اس کا صدر مقام ہوا۔ چنانچہ مولوی تقدیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ و دست انگلشیہ کے ہیں واسطے خدمت گوینہ گری دہائیوں کے دہلی سے راولپنڈی منی طلب ہوئے۔ لیکن ابھی کچھ کارروائی شروع نہ ہوئی تھی کہ اس احکم الحاکمین اور سربراہ انتظام کو یہ کارروائی ظلم اپنے برگزیدہ بندوں پر پسند نہ ہوئی۔ بہا جلد وارنٹ موت ناگہانی خود چمبر لین صاحب کی اس دربار عالی میں طلبی ہو گئی۔

اُن کے مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے صاحب کو اس خدمت خطرناک کے قبول کا حوصلہ نہ ہوا۔ تو پھر وہ محکمہ ہی ٹوٹ گیا۔ اور غریب مسلمان بوجہ اس حمایتِ غیبی کے اس آفتِ ناگہانی سے محفوظ رہے۔ اور مولوی تیز حسین صاحب جی پر واسطے اظہارِ نامِ کل میرا یہ اہلِ حدیث با مشنہ گان ہند کے جبر کیا جاتا تھا رہا ہو کر اپنے گھر کو واپس آ گئے اور ان خود غرضوں نے اُن سودہ سو فقیرانِ ساکنانِ ملکِ غیر کا ڈرا اور عجب ہماری ایسی بہادر اور دانا سرکار کے دل پر آنا چھایا اور اس میں ایسا مبالغہ کیا کہ گویا سلطنتِ انگریزی کا قطعِ قمع کرنے والے بھی لوگ ہیں۔ اور جس قدر اس کا اثر ہماری خارج قوم پر ہوا ہے۔ وہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس میں کیسے رسی کا جانبِ اور ذاتی کا پہاڑ بنایا گیا ہے۔ اور کن کن لالینی دلائل سے خارج اور مفتوح میں عداوت ثابت کی ہے اور طرہ یہ کہ علی التعموم بلا تخصیص تمام ہند کے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ اس تحریر کے بعد بڑے بڑے موقعوں پر ہند کی خیر خواہی و خیر نگاہی ثابت ہو کر وہ کتاب جو بوجہ خارج اور مفتوح کے دلوں کو بگھاڑنے والی ہے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اور مولوی سید احمد بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے شروع ہی میں بڑے دلائل سے اس خیالی پلاؤ ڈاکٹر ہنٹر کو روک کر اس کی وجہاں اڑا دی ہیں۔ اور مدعوئی کو اصول ہی سے غلط ثابت کر دیا ہے مگر تو بھی اس کتاب ڈاکٹر ہنٹر کا جادو نہ ابھی تک اکثر انگریزوں کے دلوں پر ہے۔ جو دہائیوں کو اپنا جانی دشمن جانتے ہیں۔ اور اگرچہ ابتدائے عملداری پنجاب سے اقدانوں نے صدمہ بڑے

بڑے معزز انگریزوں اور میمبھوں کو بلکہ گورنر جنرل تک کو مار ڈالا اور ابھی تک
 جہاں موقع پاتے ہیں۔ اپنی وحشیانہ حرکت سے باز نہیں آتے اور ان کے
 مولویوں نے عام فتوٰی دے رکھا ہے کہ انگریز کا مارنا یا ڈاٹا بے گناہ ہے۔ مگر
 تو بھی انگریز افسانوں کو اپنا اس قدر دشمن نہیں جانتے جس قدر وہابیوں کو ڈاکٹر
 ہنٹر کی بدولت اپنا دشمن فرض کر رکھا ہے۔ حالانکہ ابتداء میں عملداری سرکار
 سے وہابیوں سے قتل انگریز تو درکنہ کبھی کوئی حرکت نہ تھی یہ بھی سر نہ نہیں
 ہوئی۔ جس بناوت سٹھ ضلع کے عام فتنہ کے وقت یہاں سے بغاوت
 اور قساد کے وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بھوں کو باغیوں کے ہاتھ سے
 بھا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا۔ مگر ڈاکٹر ہنٹر کے جاؤنے دونوں تھوں
 کے درمیان برا و تعصب سخت دشمنی اور نفرت پیدا کر رکھی ہے لیکن خدا
 کا شکر ہے کہ ان بھپس برس گزشتہ کے تجربوں اور وہابیوں کی خیر خواہی
 نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے اس خیالی پلاؤ کو از سر تا پا صدخ ثابت کر دیا اور
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سفارش گورنمنٹ پنجاب جس کے علاقہ کے وہابی
 جلد رعایا ہند پر خیر خواہی سرکار میں سبقت لے گئے۔ یہ لفظ وہابی جو ان کا
 عطیہ خطاب تھا بحکم گورنمنٹ ہند سرکاری تحریکات میں یک تلم لکھنا بند ہو گیا اور
 آئندہ سے یہ لوگ اپنے پڑانے نام محمدی یا اہل حدیث سے بھا کر سے جہاں
 کریں گے اور میں دیکھتا ہوں کہ جو جہاں اس قدر فانی گورنمنٹ کے یہ لوگ اس قدر
 گورنمنٹ کے ہوتے ہیں کہ اگر موقع آپڑے تو سرکار ابد پائیدار پر اپنی اپنی
 جان نثار کر دیں۔

باب (۶)

مقدمہ

آدم برصیر طلب و مہر سے اپریل تک یہ سب وارو گیس ہو کر بھاوا پر مل
 جھیر پٹی ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب لوگوں کو پچانسی گھروں
 سے نکال کر کچہری میں لے گئے اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد حسین
 میرے اوپر اور محمد فرسیح حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پچانسی کی
 دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے یہاں ساٹھ آدمی جن میں اکثر لڑکی
 ملا تھے ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے۔ لیکن اکثر گواہی دیتے وقت بھی ہماری
 طرف دیکھ کر زار زار روتے بھی جاتے تھے۔ مگر بے بس۔ اگر گواہی نہ دیوں
 تو قطع نظر مار پیٹ کے پچانسی کا سامنا تھا۔ اور یہ سب گواہ تاوانے شہادت
 محکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس
 ہی سے ان کو عندہ خوراک اور لباس ملتا تھا۔ چنانچہ لکھنؤ روپہ مرکار کا ان
 بے جا کارروائیوں میں صرف ہو گیا۔ اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ جاس
 نام ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پردہ پوش پایا تھا حبیب پٹی
 میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آس منوختہ بیان
 میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات اس کو ایسی مزلے سخت دی
 گئی کہ وہ سچہ اسی صدر سے قبل از درپٹی مقدمہ سشن کے مرگیا مگر دفعہ بدنامی

کے واسطے پارس صاحب نے اس کا مرنا کسی مرنے سے مشہور کر دیا تھا جس دن ہم اول روز مجسٹریٹ میں حاضر کیے گئے تو میرا بھائی بھی بزمرو گوانان زیر حراست پولیس تھا۔ اس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیج دی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنالیا ہے۔ سو اب جس وقت برابر اجلاس میرے اظہار تحریر ہوں گے۔ تو میں اپنے اس بیان سے جو مار پیٹ کر کھلایا ہے پھر جانوں گا۔ اس کے جواب میں میں نے اس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف نہیں ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہارا اظہار جلتا ہوا ہے تو اب اس سے پھر جانے پر مجرم دروغ حلفی تم کو منزا سخت ہو جاوے گی۔ میں تو پہلے سے چھٹا ہوا ہوں تمہارے بھٹس جانے سے والدہ ضیقہ صدمہ کھا کر ہلاک ہو جائے گی۔ اس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے کھلایا ہے وہی اب بھی بیان کر دو لیکن باہیں ہم جب اس کا اظہار میرے سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا۔ صاحب لوگ برابر اجلاس اس کا انکار سن کر اول تو بڑے غصے ہوئے مگر پوچھ اس کی صنعتی کے اس کو کچھ مزانہ دے سکے۔ اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا۔ کثرت گواہوں کے سبب سے ایک ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچری مجسٹریٹ میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت درپیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جاوے تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی۔ مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے ہم نے صبر و دربان مقدمہ میں

تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اٹھاروں سے نماز پڑھ لی۔ ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدر پیر سوشن ہوا اس وقت تک ہم پچاسنی کے گھروں میں علیحدہ علیحدہ قید تھے بعد پیر وگی سوشن کے ہم سب کو ایک جگہ حالات میں بند کر دیا اب بعد ایک مدت کے تنہائی اور جگہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی۔ میں تو سعدی کا یہ شعر اکثر پڑھ کر تا تھا۔

پائے وز زنجیر پیش دوستاں

بر کمر بابیگا بنگاں در بوستاں

مگر ایک مدت دراز چار ماہ تک کے تغلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا۔ انوار الہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب عکس ہوتے تھے۔ نماز روز سے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسول جگہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی۔ اس وقت مولوی یحییٰ علی صاحب کی صحبت ایک مغتہات سے تھی مگر محمد شفیع اور عبدالکریم یہ دونوں آدمی کسی قدر شیعہ طرز کا کرتے تھے باقی ہم نو آدمی اس حالات میں بھی نہایت شادال اور فرحان تھے۔ اور یہ خاکسار تو جب اپنی پیل انسی اور کم علمی پر خیال کر کے انتہات الہی اور اس سر فرازی کو جو میرے حال بد مالی پر بندول تھی مقابلہ کر کے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ میری مثل ٹھیک ایسی ہے کہ جیسے کسی چمار کے سرو بلا واسطہ و سفارش و بلا استحقاق دیا وقت فاتی کے تاج شاہی رکھ دیا جاوے۔ میں اور میرا حسب نسب اور بیاقت کہاں اور

یہ سرفرازی خدا کے راہ میں امتحان ہو کر ثابت رہنے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ایسے امتحانوں میں پیغمبر اور صحابہ لوگ بھی گھیر جاتے تھے۔ اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اقول سے آخر تک میری زبان پر توشک ہی شکر جاری رہا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کرتے تھے۔

لست ابالی حین اقل مسلماً علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

وذلك فی فات اللہ وان یشتأ یبادل علی اوصال مثلہ مضرعی

تقریباً یہ نہیں پوچھتا کہ میں جب کہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پر ہو پھر کر جانا میرا طرف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے ہرکت دینے سے اوپر ملا دینے فکر وں پر اگندہ کئے۔ اور یہ وہ رباعی ہے جب حضرت خضیب بن ایک صحابی کو کھار مکہ پھانسی دینے لگے۔ اس نے نہایت جوانمردی سے یہ رباعی پڑھ کر راہ خدا میں جان دی اور شہید ہوا۔ اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جو جبریل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سید صاحب کے فراق میں پڑھا کرتے تھے۔

اپنا پیغام درد کا کہنا جب جہا کوئے یار سے گزیرے

کوئی مات آپ آئیں گے دن بہت تھا ریں گزیرے

کچھ عرصہ کے بعد خزاہ پریل میں یہ مقدمہ باجلاس سبجرائڈ ورٹوس صاحب محکمہ شن میں پیش ہوا۔ وہاں بھی ایک ہفتہ تک رویا رہی ہوتی رہی بعد میں

اور عبد الکریم کی طرف سے سٹر گڈال ایک بیرسٹر محکمہ جسٹس میں وکیل اور
 پیر وکالت تھے اور جب یہ مقدمہ کچہری سشن میں پیش ہوا تو مولوی محمد حسن صاحب
 اور مولوی مبارک علی صاحب نے جو پٹنہ والوں کی طرف سے پیر وکالت تھے سٹر
 پلوٹن نام ایک دوسرے وکیل کو بلایا۔ یہ وکیل بڑا جہاں دیدہ اور فہیڈ ایک
 مشہور آدمی تھا۔ جب پلوٹن صاحب اپنا مختار نامہ لے کر حضرات میں ہمارے
 دستخط کرانے کو آیا تو مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی کبھی علی صاحب والہی بخش
 سوداگر حسینی و قاضی میاں جان صاحب و عبدالنفار صاحب منشی عبد القادر
 آٹھ مدعا علیہم نے اس پر دستخط کر دیے۔ مگر میں نے اپنے دستخط نہیں کیے
 اور کہا کہ میں وکیل ہوں اپنی جواب دہی آپ کروں گا مولوی کبھی علی صاحب
 اس تقرری وکیل اور بربادی روپیہ سے راضی نہ تھے بلکہ اگر دوسرے لوگ ان کو
 نہ روکتے تو وہ اپنے نیک اعمال کا اقبال کرنے کو تیار تھے۔ گمان کی طبیعت
 کچھ ایسی سیدھی اور بے خدہ تھی کہ جب ان سے مختار نامہ پر دستخط کرنے کو کہا گیا
 تو بے خدہ اس پر بھی دستخط کر دیے۔ اب سرکار کی طرف سے میجر و کھیل صاحب
 اور پارسن صاحب پیر وکار اور وکیل تھے اور دس مدعا علیہم کی طرف دو وکیل
 اذ میں بڑا تہ عود اپنی جواب دہی کرتا تھا جب کوئی گواہ پیش ہوتا تو پہلے
 اس کا بیان صاحب سشن جج آپ نکھتے اور سوال جرح کے خود کرتے۔ بعد
 اس کے سرکاری وکلاء اور اس کے بعد ہر دو وکلاء مدعا علیہم ایک دوسرے
 کے بعد اور سب کے آخر میں یہ خاکسار سوالات جرح کے کرتا۔ چونکہ میں سب
 سے زیادہ اس مقدمہ سے واقف اور دان گواہوں کے حالات اور علم لیاقت

سے بھی بخوبی آگاہ اور اس فن و کائنات میں بھی پورا تجربہ حاصل اور اس وقت پر نسبت دوسروں کے مجھ کو خدا تعالیٰ سوالات جرح بھی خوب سوچھاتا تھا۔ اکثر گماہ میرے سوالات کے جواب سے تنگ آکر دو ٹوٹی دو ٹوٹی کرنے لگتے تھے۔ اور بوجہ اجلاس عام چھپنے کے بہت سے یورپین اور اسی تماشہ بین حاضر ہو کر یہ تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ چار اسیسرو دو ہندو دو مسلمان دو مسلمان ضلع اقبال سے بلائے گئے تھے۔ جب شہادت لڑنے میں تمام لوگوں کی توجہ علیہم کے جواب لیے گئے۔ دس مجرموں کا جواب تو ان کے وکیلوں نے تحریر کر دیا تھا داخل کیا۔ اخیر میں صاحب مشن جج نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بولو تمہارا کیا جواب ہے۔ تب میں نے ہر ایک نبوت مدخلہ سرکار کی تردید بیان کر کے اپنا جواب نہایت مشرح اور مدلل لکھانا شروع کیا صاحب جج نے اس میں سے کسی قدر لکھ کر پڑھے غصہ سے مجھ سے کہا کہ اس جواب سے کچھ فائدہ نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قصور کا اقبال کر کے عدالت کی ہڈی اور رحم سے اپنی معافی مانگو۔ میں یہ مخالفانہ تعلیم کا سبق سن کر چپ ہو رہا اور کہا کہ میں فقط انصاف چاہتا ہوں سو آپ سے اس کی امید نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد میں نے دس بارہ آدمی گواہ اپنی بریت کے بلانے چاہے سو وہ بھی جگائے نہ گئے۔ بلکہ جب واقعہ ۲ مئی ۱۹۶۶ء روز منانے حکم کے اپنے گواہوں کو میں نے آپ حاضر کروایا تو بھی ان کے اظہار نہ کھے گئے۔ مگر محمد شفیع اور دوسرے اکثر مدعا علیہم کی طرف سے بہت گماہ گذرے لیکن بے سود۔ کوئی سنتا ہے بلکہ محمد شفیع کی طرف سے ایک سو سے زیادہ سائنٹیفکٹ خیر خواہی ذخیرہ نکالی

سرکار و عہدہ کارگزاری کے پیش ہوتے تھے جن کی نسبت اس مقصد جج نے یہ لکھا ہے کہ ہر مرقعہ ان سائیکلوں کا محدثین کے مجرم اور تہیٰ منزہ ہونے پر ایک دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے۔ ہمارے لائق اور ویرنہ وکیل مسٹر پلوٹن نے بہت سی قانونی کتابوں اور قضاوت سے ثابت کر کے یہ جواب لکھا تھا کہ ملکہ مستحانہ وغیرہ مقامات جہاں یہ جنگ جس کی اعانت کرنے کا ان لوگوں پر الزام ہے واقعہ ہوا عملداری سرکار سے باہر ہیں اور لفظ جنگ کرنا یا ملکہ معظمہ یا کائنات مصرحہ دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند کسی جنگ وقوعہ بیرون حدود عملداری سرکار پر صادق نہیں آتا۔ چنانچہ تھیل جی زیر دفعہ ۱۲۱ صاف لکھا ہے کہ زید نے جو مالک ہند میں ہے یا خیموں کو ہتھیار بچھنے سے ایکقات میں اعانت دی جو گورنمنٹ ملکہ معظمہ واقعہ سیلون کے مقابلہ میں اندھڑ مالک مقبوضہ ملکہ کے) ہوئی تو زید ملکہ معظمہ سے جنگ کرنے میں اعانت کا مجرم ہو گا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اس دفعہ کی مدد سے منزا نہیں ہو سکتی سب صاحب سشن جج اور دوسرے انگریزوں نے یہ دلیل وکیل کی مٹنی تو ایک دم سر ہو گئے امد سوائس مائل اور سبھا کے کوئی جواب نہ بن آیا۔ مگر اس مقدمہ میں تو انگریزوں کو پرے سرے کا تعصب تھا۔ شروع کا دوائی سے اس مقدمہ میں قانونی طاق پر رکھ دیا تھا اس واسطے بعد لینے اس جواب کے واسطے مشورہ باہمی کے مقدمہ کو چند روز کے واسطے ملتوی کر دیا گیا۔ اور جان لارنس صاحب بہادر گورنر اور دوسرے بڑے بڑے افسروں سے جو خواہ مخواہ ہمارا قلع قمع ہی چاہتے تھے مشورہ کیا گیا ان کو تو خود غرضوں نے یہ سوچا رکھا تھا کہ

اگر ان چند غریبوں کو پھانسی دے کر وہابیوں کا ہند سے قلع قمع نہ کر دو گے
 عملداری سرکار ہند میں رہنا محال ہے پھر قانون کو کون سنتا ہے۔

باب فیصلہ

بعد التماس دراز کے ۲ مئی ۱۹۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس
 سشن ہوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتویٰ سنرا اپنے گھر پر بیٹھ کر
 حسب ایما رگورنر صاحب کے لکھ لائے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے
 ساتھ ہی پہلے چاروں اسیسروں کے سشن جج صاحب نے خواہد ہو کر
 فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سنا اب جواب کی
 بات ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیسروں وقت بھی
 ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بہہ لگاتے تھے اور دل سے ہماری مٹائی گئی
 خواہاں تھے۔ مگر جب صاحب جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر رائل پایا
 تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جو مقدمہ جبر و
 قرار وادان پر ثابت ہے۔ پھر تو صاحب جج و کمشنر نے بنی حصوصاً اس حیدر
 قانونی کے لہنی تجویز جو پہلے سے میز پر رکھی ہوئی تھی پڑھنی شروع کی جس
 میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلوٹن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا اور
 پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عملداری اور ذی علم

اور قانونِ طلاق اور اپنے شہر کے تیرہ وار اور رئیس ہو تم نے اپنی ساری عقل مندی اور قانونِ طلاق کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ تمہارے ذریعہ سے آدمی اور وہ سپہِ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا۔ تم نے سوائے انکارِ بحث کے کچھ حیلہ بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فحاشی کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پچاسی وی جاوے گی۔ اور تمہاری کل جائداد ضبطِ سرکار ہوگی اور تمہاری وراثت بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جاوے گی بلکہ نہایت دولت کے ساتھ گورستانِ جیل میں گاڑ دی جاوے گی۔ اور اخیر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تمہیں پچاسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہونگاہ۔ یہ سارا بیان صاحبِ موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سنا مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جانی دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کرے لیکن اس جواب یا سواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پچاسی کا حکم دینے سے زیادہ اُردمیر کیا کر سکتا تھا۔ جس قدر متزینیں اس کے خستہ یار میں تھیں سب اسے چکا تھا۔ لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم دینے کے تصور سے غور و بعدِ نگاہی موت سے لایسی ملکِ عدم ہوا۔ مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پچاسی کو سن کر خوش ہوا تھا کہ شاید منہایتِ اعلیٰ کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا۔ اس حکم کے سننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنتِ فردوس اور عوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں تھیں میرے بعد

مولوی یحییٰ علی صاحب اور اُن کے بعد محمد شفیع اور اُن کے بعد نمبر وار سب آدمیوں کو حکم مزار کا سننا دیا گیا۔ جن میں میں اور مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی اکٹھے مجرموں کو دائم جیسے بیورہ دیا گئے شروع منجلی کل جائداد کے مزارعی میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا تاہم اُنہوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھامنا۔ اس دن پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے قریب تمام کے احاطہ کچھری قلعہ انبار کا خلعت سے بھرا ہوا تھا۔ حکم سن کر اس کا چپ مونا تھا کہ صدمہ مسلح اہل پولیس زیر حکم کیا ان پارسن صاحب میرے نزدیک اگر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ہے تم کو دونا چاہیے تم کس واسطے اتنا بشاش ہے۔ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو۔ اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اُس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ ظلم بھی نہیں کر سکتی مگر خداوند تعالیٰ نے منتقم حقیقی تو موجود تھا گو اس کے کام دیا اور ہولت سے بھرتے ہیں۔ ہم کو مزار ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بے خوف بھی دنیا ہی میں پاگل ہو کر رہی ملک عدم ہوا۔ اس دن تماشہ بین لوگ ہماری پھانسی کا حکم سن کر اکثر زار زار روتے تھے۔ کوئی خدا کی مرضی اور رضا بقضائے اپنے رنج کو روکتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا جیل خانہ تکد میسوں مرد

عورت ارد گرد سڑک کے ہمارا منہ دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی۔ اور ہم سب کو گیر وابا میں پہنایا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ رکھ دیا۔ ۲ مئی کی رات کو جیل ہم ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جناب مسراج الدولہ کے بلیک ہول منسلک کھتہ سے بھی بڑی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی رات کو جہنم کا نمونہ ہو گیا۔ اس کی صبح کو ہم نے ایلان جیل خانہ سے ادنیٰ یہ تکلفندہ بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت شب ان کوٹھڑیوں سے باہر رکھا جائے۔ مگر سب اٹالی جیل خانہ مارے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تارگھر سے ایک عافہ فروری لے کر پہنچا۔ عافہ کھول کر جو دیکھا تو اُس میں یہی لکھا تھا کہ ان تینوں پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلا یا کر دے۔ یہ طرفہ نماشا تائبہ الہی کا دیکھ کر اسی جیل خانہ والوں نے ہم کو چمکے مٹا دیا۔ ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین نئی پھانسیاں اور اُس کے رئیس ہی سے تیار ہوئے اور ادھر مشعل مقدمہ کو واسطے منظور پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

باب (۸)

چیف کورٹ

ہمارے دونوں وکیل بھی کچھ زائد محنتانہ کر کے مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی مبارک علی صاحب و محمد سعید میر بھائی و عبدالرحمن پسر محمد شفیع کے چیف کورٹ میں پہنچے اور میر محمد نکیل صاحب وغیرہ سرکاری و کلا اور شرکا بھی سب سے پہلے حاضر ہوئے۔ اور جیل میں نقل حکم شد۔ اگر میں نے بھی تہمت اپیل خوب مدلل لکھ کر معرفت پسر ٹرنٹ جیل کے چیف کورٹ روانہ کر دیا۔ مگر چیف کورٹ میں بھی چند اجلاسوں میں بڑی دھوم و دھام کے ساتھ یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں بھی مسٹر بلوچ ہمارے وکیل نے بڑے دلائل سے بار بار تمام کہا کہ زیر دفعہ ۱۲۱ یہ لوگ ہرگز قید نہیں ہو سکتے۔ اس دفعہ کے رو سے ان کو قید کرنا سراسر خلاف قانون ہے۔ کوئی دوسری دفعہ ان پر قائم کر دے مسٹر رابرٹس کسٹ صاحب نے جو اس زمانہ میں جوڈیشل کمشنر تھے۔ اس قانونی دلیل وکیل کو برسر اجلاس تسلیم کر لیا لیکن وہاں بھی مشورہ کرنے کے واسطے چند روزہ کا التوا کیا گیا۔ اس کے بیچ میں اتحاد والوں نے اپنی اپنی رائے لگا دی کہ یہ لوگ رہا ہو چکے فقط حکم سننا باقی رہ گیا ہے۔ ہمارے گھر والوں کو تو ہماری رہائی پر اس قدر یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے گھر سے ایک نیا جوڑا کیڑوں کا بھی تیار ہو کر آگیا تھا کہ بروز رہائی میں اس کو ہمیں کر گھر آؤ گا۔

چیت کورٹ کا التوا بہت لمبا ہوا۔ غالباً ولایت تک کی رائے ہم کو غلاف
 قانون قید کرنے پر لی گئی۔ ۲۰ مئی تاریخ سنہ ۱۹۴۷ء سے ۱۱ ستمبر
 تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔ ایلایا جیل ہمارے پھانسی دینے
 کا سامانی تیار کر رہے تھے اور اوسر ہم انگریزوں کا تاشا بن رہے تھے۔
 صدر صاحب لوگ اور میم رونانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے
 تھے۔ گزرتاں دوسرے عام پھانسی والوں کے ہم کو نہایت شاماں و
 فریاض پاکر یہ یود و پینی زواریں بہت تعجب کرتے۔ اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ
 تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی تم خوشی کے واسطے کہتے ہو۔ ہم اس کے جواب
 میں صرف اسی قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی ماہ میں ایسے ظلم
 سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا مقام ہے اس واسطے ہم کو خوشی ہے شہان
 الہی سے ہم پھانسی گھروں ہی میں تھے کہ بقرعید آگئی۔ ہم کو خیال ہوا کہ آج
 مسلمان خوب قربانی کا گوشت اڑاتے ہوں گے۔ اس خیال کے تصور ہی پر
 بعد بوقت شب پلاؤ اور قورمہ اور قلیہ اور کباب وغیرہ بقرعید کے کھانے
 سب ہمارے واسطے اسی پھانسی گھر میں غیب سے موجود ہو گئے۔ ہم نے
 خوب سیر ہوکر کھایا اور شکر الہی ادا کیا۔ ایک رات کو اسی پھانسی گھر میں
 ہم تینوں آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تھے کہ اس وقت ہمارے
 سب محاذ آپس میں صلاح کر کے ہم سے کہنے لگے کہ تم تینوں آدمی اس وقت
 اندھیری رات میں بھاگ جاؤ ہم کو بوجرم غفلت کچھ قید وغیرہ کی سزا ہو جائے گی
 سو ہم اس کو بھگت لیویں گے لیکن تمہاری توجاں بچ جائے گی۔ ہم لوگوں نے

یہ بات سُن کر اُن کی ہمت اور نیت خیر کا شکہ نہ اٹھایا اور کہا کہ خداوند کریم
 دونوں جہان میں اس نیک نیتی کا اجر تم کو دیوے گا مگر ہم نہیں بھاگیں گے
 جب خدا چھڑا دے گا آپ سے آپ چھوٹ جاویں گے اور میں نے یہ بھی
 کہا کہ جب اس کی مرضی نہ تھی تو بھائیوں میں علی گڑھ سے پکڑا ہوا اگیا اب
 ہم سے ایسی حرکت دوبارہ نہ ہوگی۔ بقول شاعر :-

رشتہ در گردنم ہن گندہ دوست
 ہے برو ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

جب ہم پھانسی کے گھروں میں قید تھے تو کافی میاں جہان صاحب
 بیمار ہو کر ہسپتال میں گئے۔ مگر ہسپتال سے بھی اکثر بیماری طاقات کے
 کے واسطے پھانسی گھروں میں آیا کرتے تھے۔ اپنے مرنے کے وقت ایک
 دو دن پہلے انہوں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک تخت جو بزرگوار آسمان
 سے اُترا اور اُن کو اس پر بٹھلا کر آسمان پر لے گئے۔ اس کے دوسرے
 دن اُن کی وفات ہو گئی اور تعبیر خواب وہی ہوئی کہ وہ تخت فرودس سے
 اُن کے لینے کے واسطے آیا تھا اور لے گیا۔ یہ بزرگ ہم لوگوں میں سب سے
 زیادہ مسن تھے۔ مگر باایں ہمہ بڑے صابر اور مستقل مزاج تھے۔ خداوند کریم
 ان کو جنت نعیم کرے۔ ہمارے ہمراہیوں نے اُن کو غسل اور کفن دیکر
 اور اُن کی نماز جنازہ پڑھ کر گورستان جیل میں اُن کو دفن کرا دیا۔ جب
 ہم پھانسی گھروں میں بند تھے انہیں ایام میں ایک رات کو بمقام تھانیر
 میری والدہ کو ایک سانپ نے کاٹا۔ اُس کے زہر سے اُن کا انتقال ہو گیا۔

نہا ہے کہ وہ بھی بہت استقلال سے جاں بحق تسلیم ہوئیں۔ بہت لوگوں نے کچھ مشرک بھاڑ پھونکنے والوں کو بدکر اُن کی محنت سکے واسطے کچھ رسومات مشرک کرنا چاہا تھا۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ میرے گھر سے مشرک بدعت مدت سے اٹھ گیا ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کی غیر حاضری میں اپنے گھر میں مشرک نہ ہونے دوں گی۔ ایسی بے ایمانی کی حیات سے موت افضل ہے۔ جب ان کے مرنے کی خبر ہم کو پیدائشی گھر میں پہنچی تو مولوی بھی حلی صاحب نے مراقبہ میں اسی رات کو دیکھا کہ وہ یثربی شادی و شوکت سے جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہیں۔ مولوی صاحب نے اُن سے پوچھا کہ یہ مرتبہ عالی آپ کو کس سبب سے ملا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے کی مصائب پر صبر کرنے کے سبب سے مجھ کو میرے رب نے بخش دیا اور یہ جد جہانیت کیا اس وقت ان کی وفات بھی ایک امتحان پر امتحان تھا کہ جان و مال۔ آبرو ہر شے کی پوری پوری جانچ کی جائے۔

باب (۹)

کالا پانی

مستحق دار کو حکم نظر بند ہی ملا

کیا کہوں کیسے رہائی ہونے ہوتے رہ گئی

ایک یہ بات بھی اس مقام پر قابل تذکرہ ہے کہ جس زمانہ میں ہم لوگ

پھانسی گھروں میں قید تھے۔ انہیں ایام میں ایک مقبول بارگاہ الہی پر اللہ رب
العزت نے پیشکش کرا دیا تھا کہ ہم لوگوں کو پھانسی نہ ہوگی۔ مگر کانسے پانی
کو جانا ہوگا۔ اور میں وہاں سے پھر زندہ باعزت واپس آؤں گا۔ ہماری
پھانسی کی موقوفی کا حکم اس پیشین گوئی کے و و ماہ بعد ہوا۔ مگر ہم لوگوں میں اس
پیشین گوئی سے پورا پورا یقین موقوفی پھانسی اور کانسے پانی کو جانے کا ہو گیا تھا
چنانچہ میں نے اپنے بھائی اور بعض دوستوں کو اسی وقت اس خوش خبری
کی اطلاع بھی لکھ دی تھی۔ مگر اس وقت کہ جب ساری سلطنت انگریزی
باتفاق ہمارے پھانسی دینے پر مستعد تھی اور ظاہر کوئی صورت موقوفی پھانسی
کی نظر نہ آتی تھی۔ شاید کسی کو اس پیشین گوئی کا یقین نہ ہوا ہو کیونکہ وہ ایک
ایسا وقت تھا کہ اگر کوئی شخص ہمارے واسطے ذرا بھی کلمہ خیر کہتا تو قید
ہو جاتا تھا بیسیوں آدمی ہمارے شہر کے نقطہ اسی قسم کے قصوروں میں
قید ہو گئے تھے۔ کہ ان کے پاس سے کوئی ایک میل اسباب نکل آیا یا بعد
منجلی و نیلام میرے مکانات کے میرے بال بچوں کو کسی نے اپنے گھر میں رہنے
کو جگہ دے دی۔ اس وقت اگر شاہ روم بھی میری سفارش انگریزوں سے
کرتا تو کبھی منظور نہ کرتے۔ ایسے حالات میں موقوفی پھانسی محض غیر ممکن اور بے
اقدام تھی۔ اب اس مطلب القلوب کی ظاہری کا رد وائی کو سینے۔ جب بہت
سے صاحب اور سیم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاہاں و فرحاں دیکھ گئے
تو یہ چرچا صاحب لوگوں میں پھیلا تب اُن صاحب لوگوں نے جو ہمارے جاتی
دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو زندہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے

وہ ایسا خوش چور ہے ہیں، دینی نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کو کالے پانی بھیج دو گا
 کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرنا چاہیے۔ ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری
 پیشین گوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبارہ ۱۱ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف
 لائے اور چھٹ کو رٹ کا حکم ہم کو پٹھ کر سنا دیا۔ کہ تم لوگ پھانسی پڑنے
 کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس واسطے سرکار تمہاری
 دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی منائے دائم الجبس
 بیور وریلئے شور سے بدل گئی۔ بمجھو سنائے اس حکم کے ہم کو پھانسی گھروں
 سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بایکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور
 کے موافق مقرض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش
 کر منڈی بھڑ سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی بھیجی علی صاحب
 اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ: افسوس نہ
 کر تو خدا کی ماہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

باب (۱۰) مشقت

ایک تماشہ قدرت الہی کا اور بھی قابل ذکر کرنے کے ہے اور وہ یہ
 ہے کہ بوجہ میرے بھاری مجرم ہونے کے میرے واسطے رستہ اور پھانسی کی
 لکڑی خاص طور پر نہایت مفید و تیار ہوئی تھی۔ مگر برکستی تقدیر سے میری

پھانسی تو موقوف ہو گئی اسی اثنا میں بجرم قتل ایک خاص ولایت کے
 انٹنشن میں گورہ کو پھانسی کا حکم ملا۔ اور وہ سب سامان پھانسی جو سب سے
 واسطے تیار ہوا تھا اس بے چارے پر وہیں ہم قوم کے نصیب ہوا چاہے کن
 راجہ درپیش۔ جو در بڑے ہستام سے میرے گلے میں ڈالنے کے واسطے
 تیار ہوا تھا اس قدر طلق مقرب لعلوب نے ایک ذات بھائی کے گلے میں
 ڈالوا دیا۔ اور مجھ کو صاف بچالیا۔ اس وقوعہ عجیبہ کے بعد لوگ اس سدا
 الہی کو ایک بڑی آیات الہی سے سمجھتے تھے۔ اسی سبب سے بعد پھانسی
 اس گورہ کے وہ رسم بھی ٹکڑے ہو کر تیرٹا لوگوں میں تقسیم ہو گیا بعد نے فیض
 حکم پھانسی کے جب دوسری فجر کو ہم تینوں آدمی بھی دوسرے قیدیوں کے
 ساتھ مشقت میں بھیجے گئے تو نبی بخش دادوہ جیل اور رحیم بخش نانڈی وغہ
 اور دوسرے سب دیسی افسر گوہمارے حمایت فرماتے مگر بوجہ خوف صاف
 پسر ٹنڈنٹ جیل کے ہم تینوں آدمیوں کو کاغذ کٹنے کی ڈھیرنگلی کے کام
 میں جو اس جیل میں سب سے زیادہ سخت کام ہے دے دیا۔ تھوڑی دیر تک
 جب ہم نے اس کو پاؤں سے ہلایا تو پاؤں اشل ہو گئے۔ مگر اسی وقت
 ڈاکٹر بخش صاحب عرف ریلو پسر ٹنڈنٹ جیل کے کاغذ گھر میں تشریف
 لائے تو ہم ڈھیرنگلی کے سخت کام میں دیکھ کر داروہ پر بہت خفا ہوئے اور
 ہم کو اس سخت کام سے نکال کر محمد شیع اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو تو سوت
 کھونے کے کام میں لگا دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک ناؤ گلی کے پاس
 جس میں کاغذ پھاڑ کر بھیگوتے تھے بے گئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ یہ دفتر

کی رودی ہے۔ غالباً تمہارے ماتھے کے کھٹے ہوئے کا قند بھی اس میں غزوہ
ہوں گے تم اپنا دل بہلانے کو ان کا قنات کو پڑھتے بھی رہو اور رودی کو
بچاؤ کر اس ناؤ میں ڈالتے جاؤ۔ فضل الہی سے میری مشقت بھی دل لگی اور
تفریح طبع سے خالی نہ تھی اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی تائید الہی سے
کسی سخت کام میں نہ تھے۔ ہم دن بھر کام کر کے رات کو سب کے سب
ایک جگہ پارک میں جا کر سو رہتے۔ جب ہم جیل میں گئے تو قیدیوں کو صرف
روٹی اور دال اور مفتے میں دو یا تین دن ترکاری تیل سے بھکاری ہوئی
حاکم قی تھی۔ گھی اور گوشت یا دودھ وہی کبھی کسی قیدی نے ابتدائے عملداری
مرکاز سے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب تائید الہی کا کارنامہ سنیے ہمارا
جیل میں داخل ہونا تھا کہ حکم آپٹر جنرل مجلس پنجاب کو عہدہ گوشت
اور گھی اور وہی منے لگی ان نمار غیر مترقبہ کو دیکھ کر سب قیدی ہم کو دعا
دیا کرتے تھے کہ تمہارے سبب سے ہم نے بھی نعمتیں کھائیں۔ مگر طرفہ
یہ کہ جب تک ہم لوگ جیل ہائے پنجاب میں رہے تب تک یہ چیزیں سب
جیل خانوں میں برابر ملتی رہیں مگر ہمارا کاسے پانی کو روانہ ہونا تھا کہ پھر وہ
چیزیں ایک قلم بند ہو گئیں۔ بلکہ بھائے گھوں کی روٹی کے ہمارے جانے
کے بعد جوار یا جیسے کی روٹیاں بے چارے قیدیوں کو ملنے لگیں۔ ہم جیل انبار
ہی میں تھے کہ وہابی بخارہ سرسرام بڑے زور شور سے قیدیوں میں پھیلا کوئی پھام
قیدی اسی مرض سے فوت ہو گئے۔ اور یہ کیفیت تھی کہ ادمعہ بخارہ یا ادمعہ
سرسام مواد چٹ سے مر گیا۔ چلیے دو دو چینی کی سیادو اسے قیدی بھی بہت

مرگے جیل کے باہر چمے کھڑے کر کے قیدیوں کو وٹاں لے گئے۔ مگر حضرت بخار وٹاں بھی ساتھ رہے۔ یہ خاکسار بھی اس وبا سے نہ بچا اور سخت بیمار ہو کر شفا خانہ جیل میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر ٹینسن صاحب بہت توجہ دلی سے میرا علاج کرتے تھے لیکن بخار کو قدرہ بھی افتادہ ہوا۔ گو سرسام کی نوبت نہ پہنچی تھی مگر میں بے آب و دانہ چند روز تک بے ہوش پڑا رہا۔ انگریزی وٹاں میں قدرہ بھی مجھ پر اثر نہ کرتی تھیں۔ لاچار ہو کر ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں اس مرض کے واسطے کیا دوا کھاتے تھے۔ میں نے کہا ہندوستانی دوائیں کھاتا تھا۔ اور ایسے مرض میں میں نے انگریزی دوا کبھی نہیں کھائی تاہنا اس سب سے اُن کا کچھ اثر مجھ پر نہیں ہوتا تب اُنہوں نے فرمایا کہ اُن دوائیوں کا نام بھی تم کو معلوم ہے۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم ہے تب اُنہوں نے کہا اچھا وہ دوائیں ایک کاغذ پر ہم کو لکھ دو ہم بازار سے تمہارے واسطے منگوا دیں گے۔ تب میں نے مرہ سیب و مرہ بھی و ستریت انار و ستریت میلوفرو و صق نقرہ وغیرہ وغیرہ حمد حمد مزے دار و مغر ح وٹاں ایک کاغذ پر لکھ دیں اُنہوں نے اسی وقت وہ سب بازار سے منگوا کر میرے حوالہ کر دیں مگر بے بیماری کے زبان کا مزہ تو بگڑا ہوا تھا میں نے اُن کو یکے بعد دیگرے کھانا شروع کیا۔ بخار تو قسم محرقہ سے تھا ان شربتوں کے استعمال سے دوسرے دن دفع ہو گیا اور مرہوں اور اوراقِ نقرہ سے بدن اور عمدہ میں بھی طاقت اور قوت آگئی ڈاکٹر صاحب نے جب دوسرے دن مجھ کو تندرست پایا تو بہت خوش ہوئے اور قوت کے واسطے شوربا گوشت اور دودھ میرے واسطے مقرر کر دیا۔ مجھ کو اس مقام پر اس

دولت دنیا اور چشم و جاہ کی ناپائیداری اور حالتِ سیمانی اور ہرجائی کا تصور
 سا ذکر کرنے کا بھی موقع ملا ہے اور اس کی کیفیت مختصر اس طرح ہے کہ ۱۲
 تاریخ دسمبر کو اپنی خانہ تلاشی سے تھوڑی دیر پہلے تک میں ہزاروں روپے کی جائیداد
 منقولہ وغیرہ پر قابض تھا۔ بیسیوں آدمی میری رعیت رہتے تھے ایسے بڑے
 شہر کا غیر دارگھوٹے اور گاڑیوں میں سوار ہوا پیر ماتھا ہر کام کے میرے گھر میں
 نوکر چاکر تھے یا اس کے چند گھنٹہ پیچھے چب بوند تلاشی میں فرار ہو گیا تو سب
 جاہ چشم خاک میں مل گیا بوجہ میرے فرار یا زیادہ غصہ کے انگریزوں نے قبل از
 مدد و حکم اخیر مقدمہ کے میری کل جائیداد پہلے ہی دن قرق کر لی تھی۔ دوسرے
 دن خود میرے عزیزوں کو کوئی اپنے برآمدہ میں بھی کھڑا نہ ہونے دیتا تھا ایک
 ہی رات میں وہ سب مال دوسروں کا ہو گیا۔ میرے وارثوں کو اس قدر موقع
 بھی نہ ملا کہ کوئی جائیداد قبل از قرق علیحدہ کر لیں اور بعد مدد و حکم ضبطی کے جب
 میرے بھائی نے جو اس کا وارث تھا اپنے حصہ کا دعویٰ کیا تو اس کو بھی خطا ایک
 کو قزاقی دے کر کل جائیداد منقولہ غیر منقولہ ضبط کر کے نیلام کر دی۔ میں نے
 منظرِ دوا ندیشی اپنے حصہ کی کل جائیداد کو اپنی بیوی کے ہر میں مگنول کر کے ایک
 بیٹا شرعی اس حادثہ سے سات برس پہلے بروز نکاح اپنی بیوی کے نام
 لکھ دیا تھا وہ بیٹا ابھی پیش ہوا مگر اسے غصے اور تعصب کے کسی نے بھی
 نہ سنا اور میری بیوی کو مدد و نایاب شیخوار بچوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال
 دیا۔ بعد تبدیلی حکم بھائیشی ہم ستمبر سنہ ۱۹۵۷ء تک جیلِ آزاد
 میں رہے۔ اگر حادثاتِ محمدیہ خلیفہ کے گھر سے بہت سا کھانا محمدہ محمدہ قسم کا

ہمارے واسطے آرا کرنا تھا اور ہم لوگ اس کو جیل میں نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر بڑے
 مزے سے کھایا کرتے اور شکوالہی بجالاتے یہاں تک اپنی تعریف آپ کھ
 کر میرا نفس بہت پھول گیا ہے اور اکثر مقامات پر اپنی تعریف میں مبالغہ کرنا
 چاہتا ہے لہذا اس کے دو حیب بھی یہاں تھوڑے دیر کے بعد اس کو موزی خود پسند
 کو خدا دلت ہو اور پھر مجھ کو مبالغہ کرنے کی ترغیب نہ دے اور وہ یہ ہے کہ
 ایک دن رات کو جب ہم ایک مقفل بارک میں سوتے تھے ایک سپاہی
 محمد شفیع کے گھر سے پلاؤ لے کر آیا۔ ایک جھکے کی راہ سے وہ پلاؤ لینے کو میں
 گیا۔ پلاؤ دیکھتے وقت میرے اس نفس سے نہ رہا گیا ایک بڑی بونی پلاؤ کی اٹھا کر
 منہ میں ڈال لی اور تھوڑا سا چبا کر جھٹ پٹ اس کو نگل لینا چاہا وہ مال مسرورہ
 حلق میں کیسے اترے حلق میں جا کر ڈگمگائی نہ نیچے جاتی تھی نہ اوپر آتی تھی میرا دم
 بند ہو گیا میں رو کر کرا کر گر پڑا نفس کا حیب ہمارے سب ساتھیوں پر مظاہر
 ہو گیا۔ جب میرا گلا ملا گیا تو وہ بونی جھنسنہ یا ہرنکل آئی۔ میں نے اپنی جان پر بری
 اور مال مشتبہ کے حلق سے نیچے نہ جانے پر شکوالہی کیا گو محمد شفیع سے ہمارا
 معاملہ واحد تھا اور اس کی معافاقت بھی ہر طرح سے ہم کو حاصل تھی مگر تو
 بھی یہ حرکت مغلانہ اور نہایت نازیبا تھی۔ مگر حمد ہے اللہ کا کہ اس نے
 نفس موزی کو بھی دلت دلائی کہ اب تک اس کو یاد ہے اور مجھ کو اس مال
 مشتبہ یا مسرورہ کے کھانے سے محفوظ رکھا۔ ایک اس سے بڑھ کر اپنے
 نفس کی شرارت کا حال اور ستانا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک دس روپے
 کا نوٹ جیل انبار میں بندیر ٹاک منشی عبد القادر خاں ہمارے ایک ساتھی

کے گھر سے بند یہ میرے بھائی کے میرے پاس آیا تھا۔ اس وقت میرے بھائی کو جیل کے باہر کچھ روپیہ کی ضرورت تھی۔ میں نے منشی عبد الغفور سے اس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور باہر سے اپنے بھائی کو وہ نوٹ دلا دیا اور اس نے اپنے کام میں اس کو خرچ کر لیا۔ جب منشی عبد الغفور خاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے میری کچھ شکایت تو نہ کی کیونکہ وہ میرے گھر میں برسوں تک رہے تھے اور مجھ کو اپنا بزرگ جانتے تھے اور اسی بھروسے پر میرے نفس نے یہ جرات بھی کی تھی تاہم دوسرے لوگوں نے مجھ پر بہت طعن لعن کی تھی کہ دس روپیہ ان کو پھر دے دوں لیکن بعد پہنچنے پورٹ بلیر کے جب میرے ہاتھ میں روپیہ آیا تو میں نے وہ دس روپے بند یہ نوٹ ان کو جیل لاہور میں بھیج دیئے۔ اعدا اب بعد اظہار ان ہر دو عیب اپنے نفس کے میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو معاف فرماوے اور میرا حق محشر میں نیکوں کے سامنے مجھے ذیل نہ کرے۔

باب (۱۱)

مولوی احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس زمانہ میں ہمارا اپیل چیف کورٹ پنجاب میں دائر تھا اس وقت ہمارے وکیل پلوٹن صاحب نے ہم کو یہ خبر دی تھی کہ انگریزوں کا یہ ارادہ ہے کہ اگر خدا لا پیل ہم لوگ چیف کورٹ پنجاب سے رہا ہو جاویں تو خیر

ہے ورنہ بعد نامتھوری ہمارے اپیل کے یہ لوگ مولوی احمد امد صاحب کو بھی
 قید کریں گے۔ چنانچہ بعد نامتھوری اپیل کے مولوی احمد امد صاحب کے
 اوپر منجملہ ہم گیارہ نفیس سزا یافتہ کے جھوٹے گواہ سکھلا ڈھا کر بنانے شروع
 ہوئے۔ یہ سر عجیب الدین تحصیلدار ساکن نارنوالی جو کسی قصور و رشوت ستانی
 میں جیل انبلاہ میں قید تھا اور بظاہر ہم لوگوں سے ٹرے اخلاق سے پیش
 آتا تھا اس کو انگریزوں نے وعدہ دیا کہ اگر تم بیکا سکھلا کر ان میں سے کسی
 آدمی کو مولوی احمد امد صاحب کے اوپر گواہ بنا دو تو ہم کو رہا کر کے تحصیلدار
 کر دیں گے۔ چنانچہ اپنی دنیوی بھلائی کی امید پر اس شخص نے اپنی کارروائی شروع
 کی۔ مگر حبیب ہمارے کان میں اس کے بیکانے اور گواہ بنانے کی خبر پہنچ جاتی
 تھی تو ہم اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر کہ بھائیو ہماری دنیا تو خراب ہو گئی ہے اب
 فقط دین باقی رہ گیا ہے جھوٹے گواہ بن کر اس کو نہ بگاڑو۔ کہیں تمہاری وہ
 مثل نہ ہو جاوے نہ وہ دونوں طرف سے گئے پانڈے اور حلوٰۃ اور دھر
 مانڈے جس قدر وہ بھر وہ گواہ بنانے کی ترغیب دیتا تھا اس کا اثر ہماری
 تھوڑی دیر کی نصیحت سے پھر رفع ہو جاتا تھا۔ اس خبر نے صاحب لوگوں
 سے کہا کہ جب تک محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب اس جیل میں ہیں تب
 تک کوئی گواہ نہیں بن سکتا۔ اس واسطے کہ ۲۴ روزی سے ۱۵۰ کو مجھ کو اور مولوی
 صاحب اور میاں عبد الغفار کو سنٹرل جیل لاہور کو روانہ کر دیا اور محمد شفیع و عبد
 الکریم والہی بخش و ناشی عبد الغفور وغیرہ کو جیل انبلاہ میں رکھ لیا پس ہمارا اس
 جیل سے روانہ ہونا تھا کہ محمد شفیع و عبد الکریم وغیرہ گواہ سرکاری ہو گئے اور

اُن کی شہادت پر اولیاء وقت شمس الاسلام مولوی احمد اللہ صاحب بہاء منی
 سلسلہ وائیم لمجس بیوہ وریکے شور منہ ضابطی جائیداد کے سزا بابت ہو کر ہم سے
 پہلے جون کے ہفتے میں داخل انڈمان ہو گئے۔ یہ سلسلہ مثل مقدمہ اور
 دلائل ثبوت جو لم نسبت محمد شفیع وامنح ہو گا کر اول محمد شفیع کو کس غیظہ اور
 غصہ سے پچھانسی کا حکم دے کر اس کی پچاس لاکھ کی جائیداد ضبط کی تھی اور پھر
 صرف ایک برس بعد گواہی کا حیلہ کر کے اس کو رٹا کر دیا تاکہ جائیداد منضبط ہو پس
 نہ دینی ٹیسے اگر وہ بے جا رہ جیسے اس کی ایک برس بعد کی رٹائی سے ظاہر
 ہے بے قعود تھا تو پہلے اس شد و مد سے اس کی پچاس لاکھ کی جائیداد ضبط کر کے
 اس کو پچھانسی کا حکم کیوں دیا تھا اور اگر دراصل وہ بھاری قصور وار تھا اور صاحب
 مشق حج کی سب دلائل مندرجہ فیصلہ صحیح ہیں تو اس کو ایک سال بعد کس واسطے
 رٹائی کر دی۔ اس کے بعد سلسلہ تک جو جو مقدمات گرفتاری و لایاں مثل
 مقدمہ امیر خاں صاحب سو داگر جرم و مولوی تبارک علی صاحب و مولوی امیر
 الدین صاحب ساکن پٹنہ ملک نکال وابرہیم منڈل ساکن اسلام پورہ موتے
 رہے تو یہی معمولی گواہ یا گونہہ جھوٹی گواہی دینے کو بلائے جاتے آتھے اور میں
 نے خود ان میں سے ایک گواہ کی زبانی سنا ہے کہ جب کبھی خلاف گواہی
 دینے سے ہم نے انکار بھی کیا تو ہم کو یہ کہا گیا کہ تم لوگ شرطیہ طور پر فقط اسی
 گواہی دینے کے واسطے بطور گونہہ رہا کیے گئے ہو۔ اگر تم گواہی نہ دو گے تو
 پھر تم کو وائیم لمجس کر کے پچھلے وارنٹ پر کاسے پانی کو بھجوا دیا جائے گا جب
 میں انبار جیل سے لاہو جانے کو تیار ہوا تو میری بیوی بچے بھی میری ملاقات

جیل پر آئے تھے جس دن میری ملاقات ان لوگوں سے ہوئی ماہ رمضان تھا اور میں سوئے سے تھا جیل کے باہر ایک کوٹھڑی میں بہت دیر تک میری اُن کی بات چیت رہی۔ میل گیر و اباس اور کیل کا کرتہ اور پاؤں میں بڑی ٹیکہ کر میرے اقربا بہت متعجب اور غمگین ہوئے مگر میں نے اُن کی بہت تسلی کی اور ایمانی اور صبر کا قصود اُن کو سمجھایا۔ اسی دن کوئی سوار بس کے بعد میں نے اپنے بیٹے محمد صادق کو بھی دیکھا تھا وہ ایسا بڑھ گیا تھا کہ میں نے مشکی سے اُس کو پہچانا تھا۔ یہ گویا اس سے میری آخری ملاقات تھی پھر دوبارہ میں نے اُس کو اس دنیا میں نہیں دیکھا۔

باب (۱۲)

سفر لاہور

۲۲، فروری ۱۹۶۷ء کو ہم جیل لاہور کو روانہ ہوئے۔ جو گیا نہ گیر اباس کا لاکھیل اوڑھے ہوئے۔ بیڑی ہتھ کڑی کے زیور سے آراستہ براستہ ہم ہم منزل در منزل اور کوچ در کوچ لاہور کو چلے جاتے تھے دو ایک گاڑیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں بعد تیس چالیس قیدیوں کے ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوئے تھے۔ سب پا پایا وہ چلنے تھے جب کوئی تھک جاتا تو اُس کو گاڑی پر بھی سوار کر لیتے تھے وہ سب کے سب پا پایا وہ تھک جاتے چھانے چلے جاتے تھے۔ خیر سوار بس کے بعد جو ہم نے باہر کی ہوا کھائی تو طبیعت نہایت

خوش اور راستے میں جو چاہتے سو خرید کر کھاتے۔ اور مولوی کچی علی صاحب کی ہر دم مصاحبت میں رہتے۔ اس سبب سے ہم کو قراس منار میں بھی دن عید اور رات شب برات ہو گئی تھی۔ اتفاقاً حسد سے جس دن ہم نیا گیر جالباس پہن کر اول منزل سے روانہ ہوئے۔ تو ہمارا جہ ہندو سنگھ صاحب دہلی پٹیارہ کی برات بڑی دھوم دھام سے اسی ماہ سے عین ہمارے آگے کو جنوب سے شمال کو جاتی تھی۔ اس وقت سورج نکلتا تھا، فجر کا ٹھہانا وقت اور اخیرِ فوری کے گلابی جاڑے تھے۔ ایک طرف سورج کی کرنوں میں برات کے سونا چاندی اور تاس بادلوں اور برسرِ مرجع کی چمک دوسری طرف ہماری بیڑی ہتھکڑی کے لوسے کی دھمک، ادھر دو شاہوں اور کنواریاں و باتات کا رنگ ادھر ہمارے جو گیانہ لباس اور کپڑوں کی سرخی اور سیاہی کا ڈھنگ، ادھر ہاتھی گھوڑوں کی ہنگام ادھر ہماری بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی چمک اور ایک دوسرے کے مقابل اس دنیا کے فانی کی دولت اور کمی بیشی مدارج کا فرق عجیب خوبی سے دکھلا رہی تھی، مگر افسوس کہ یہ راجہ خانا جس نے ہم کو اس وقت بڑی چشمِ حقارت سے دیکھا ہو گا یہی کسی ہندو سے بہت برس پہلے راہی نکلتا ہوا جہاں امیر فقیر دونوں خالی ہاتھ جیسے آئے تھے ویسے ہی حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس نے اس عروسِ دنیا سے جس کے واسطے اس تند دھوم دھام تھی بہت ہی تھوڑا فائدہ اٹھایا ہم جو ایک مدت دراز کے بعد جیل کی تنگ تاریکیوں سے باہر میدان میں پہنچے تو ہم کو بھی ہمارا جہ پٹیارہ کے براتیوں کی خوشی سے کم خوشی

نہ تھی۔ ہم ہر نوں کی طرح اڑے جاتے تھے جن جن قیدیوں کے پاس کچھ نقد تھا ان کا جو کچھ بھی چاہتا تھا راہ میں خرید کر کھاتے اور خوشی مناتے چلے جاتے تھے۔ لہذا تہ پھلور۔ جالندھر، امرتسر ہوتے ہوتے لاہور پہنچے۔ اخیر منزل پر لاہور میں شالامار باغ کے سامنے ہر کسی نے اپنا اپنا من بھر کر جو چاہا سو کھایا۔ کیونکہ جیل میں جا کر تو سوائے معمولی کھانے کے اور چیزیں ملنی محال بلکہ جرم ہیں۔ قریب تین بجے شام کے ہم لوگ منٹل جیل لاہور کے دروازہ پر پہنچے اور ہمارے چالان کے کل قیدی ایک قطار کر کے دروازہ جیل پر بٹھا دیے گئے۔ اول ایک کشمیری ہندو واروہ آیا اس نے پہلے ہمارے مقدمہ والوں کو نقد تمام دیکھا اور کسی قدر افسوس بھی کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر گرسے صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل رونق افروز ہوئے۔ انہوں نے سب سے اول ہم لوگوں کا ملاحظہ کیا اور بڑے غصہ سے حکم دیا کہ ایک ایک آٹا ڈنڈا بھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ بھرد و صدور اس حکم کے لوٹار ڈنڈے آہنی سے کڑا کر ہو گئے اور ہمارے دونوں پاؤں کے دونوں کڑوں کے درمیان سے ایک ایک آٹا ڈنڈا جو ایک فٹ (ہگرہ) سے زیادہ لمبا نہ تھا ڈال دیا گیا۔ یہ حکم ازراہ تعصب فقط ہم ہی لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل بھر میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا۔ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال تھا۔

باب (۱۳)

سنزل حبیل لاہور

اس حبیل کے بیچ میں ایک بوج اور اس کے چکر و آٹھ علیحدہ علیحدہ بارکیں موصوعی اور کارخانہ مشقت کے بنے ہوئے تھے۔ صاحب پسر ٹنڈ نشٹ نے حکم دیا کہ اس مقدمہ کے جتنے قیدی ہیں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بارکوں یا قبروں میں رکھو تاکہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پاتے۔ اس دن ہم کو اپنے دوستوں سے جدا ہونا اس آہنی ڈنڈے سے بھی بڑھ کر شاق ہوا۔ سمجھو کہ نمبر اول میں جو سب سے زیادہ سخت تھا اے گئے لیکن قریب ۶ بجے شام کے تاؤید غیبی سے یہ حکم پہنچا کہ یہ قیدی آمدہ حبیل انبارہ میں بیماری و اے حبیل سے آئے ہیں ان کو دوسرے سب قیدیوں سے علیحدہ رکھنا چاہیے تاکہ ان کی بیماری اس حبیل میں بھی نہ پھیل جاوے سو وہی پہلا نمبر جہاں میں بند تھا ان کے علیحدہ رکھنے کے واسطے تجویز ہو کر ہمارے کل ساتھی بلکہ سارا چالان اسی بارک میں جمع ہو گیا۔ تب ہم آپس میں مل کر بہت خوش ہوئے اور اس حکمت الہی اور اسرارِ معنوی پر سجدہ شکوہ کمالائے بوجہ ہونے ایک سلمان جمعہ اس نمبر کے ہم کو کچھ مشقت بھی نہ کرنی پڑی بلکہ بفضلِ الہی ایک مہینے کے بعد اس پسر ٹنڈ نشٹ نے خود مجھ کو اسی نمبر لمانشی کر دیا۔ مگر وہ ڈنڈا جو غالباً کسی بٹے حاکم کے حکم سے تھا یکستور

زیب پارٹیا جس کے سبب سے جب ہر فجر کو صاحب پرنسٹنڈنٹ وہاں تشریف لاتے تو مجھ کو ہر قیدی کی مشقت کا حساب دکھانے کے واسطے مثل ہرن کے اُچھل اُچھل کر ان کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔ ایک اتوار کے دن اسی جیل لاہور میں اپنے بستر پر میں پریٹ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہان صاحب پرنسٹنڈنٹ ہمارے نمبر میں پہنچے اور کل قیدیوں نمبر کی تلاشی کرنے کا حکم جاری کیا۔ یکے بعد دیگرے میرے بستر کی بھی تلاشی ہوئی جس میں کچھ تھوٹا آپسا ہوا نمک میرے بستر سے بھی برآمد ہو گیا۔ ایسے تصور پر وہاں بیت کی مزا ہوتی ہے۔ جب یہ نمک برآمد پرنسٹنڈنٹ کے سامنے پیش ہوا تو میں حیران تھا کہ کیا جواب دوں اس میں مندل نامک مسلمان قیدی جو جیل انبارہ سے میرے ساتھ آیا تھا اور میری خدمت کرتا تھا بول اٹھا کہ یہ بسترہ اندک تو میرا ہے مولوی صاحب کا نہیں ہے۔ تب صاحب پرنسٹنڈنٹ نے پوچھا یہ کیسے تو اس نے کہا کہ حضور کے تشریف لانے سے پہلے میں اور یہ مولوی صاحب دونوں پیشاب کرنے کو پاخانہ میں گئے تھے اس بیچ میں حضور آ گئے ہم جلدی سے جو دوڑ کر گئے اُس گھبراہٹ میں یہ میرے بستر پر اور میں ان کے بستر پر بیٹھ گئے۔ صاحب پرنسٹنڈنٹ اس بیان کو سن کر بہت ہنسنا اور بولا کہ تم مولوی کو سچانا چاہتے ہو۔ اس کے بعد ہم دونوں کو نمبر سے باہر جہاں بیت لگا کرتے تھے لے گیا۔ دوسرے قیدیوں کو جن کے بستروں سے کچھ کچھ نکلا تھا بیت لگنے شروع ہوئے جب دوسرے قیدیوں کو بیت لگ چکے تو آخر میں پھر اُس نے ہماری طرف

مترجم ہو کر مندل مذکور سے پوچھا کہ یہ بات سچ ہے کہ یہ بسترہ اور نمک
 تھا راس ہے۔ اور مولوی کا نہیں ہے۔ اس نے کہا ناں نمک اور بسترہ تو
 میرا ہے آگے آپ کو ختمیاد ہے۔ یہ جواب سن کر اس نے ہم دونوں کو
 بری کر دیا۔ اور کچھ سزا نہ دی اور مندل سے کہا کہ اچھا تم مولوی کو بچانا
 چاہتا ہے ہم نے تم کو بھی معاف کر دیا جاؤ آگے ہو شیوا رہو۔

باب (۱۴)

رہائی کراچی

اخیر اکتوبر ۱۹۹۵ء میں ایک بڑا بھاری چالان قیدیوں کا تیار
 ہو کر ملتان کو روانہ کرنے کا بندوبست ہوا۔ ایک ایک ہتھکڑی دو دو لگی
 کئے اٹھوں میں لٹائی گئی۔ میرے ساتھی نے مجھ سے یہ رہایت کی کہ میرا بایاں
 اور اپنا واپس اٹھ ہتھکڑی میں ڈلوا یا۔ ہمارے مقدمہ کے نقطہ میں آدمی
 یعنی میں اور مولوی سبکی علی صاحب اور میاں عبدالغفار صاحب ملتان کو روانہ
 ہوئے۔ جس دن ہم لاہور سے روانہ ہوئے ریل کے سٹیشن تک پاؤں
 میں بیڑی سر پر بسترہ جس کو ایک اٹھ سے تھامے ہوئے اور دوسرے
 اٹھ میں ہتھکڑی کی گھوٹ اس پر سپاہیوں کی مار مار کر جلدی چلو جلدی چلو
 ریل چلی جاوے گی۔ خیر بہر صورت ہم ریل تک پہنچے وہاں جا کر ریل کی
 کوٹھڑیوں میں ہم کو بند کر کے قفل لگا دیا اور لاہور سے ملتان تک راہ میں کہیں

نہ کھو، مثل جانوروں یا مال کے گاڑیوں میں بھردیا تھا۔ کوئی آٹھ بجے مات کے
 بعد ہم مقام پہنچے وہاں بھی اندھیری رات میں سر پر بستر رکھے ہوئے کشاں کشاں
 اشیائیں سے جیل تک پہنچے جہاں بے آب و خانہ مثل جانوروں کے رات کو
 بند کر دیے گئے۔ دو دن ہم جیل مقامی میں رہے شہر کو مرستہ ہے، بازار
 کہاں ہے۔ وہ ہم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ دو روز بعد وہاں سے چلا کر
 ایک تین یا گھاٹ دیرائے سندھ پر جوماتان سے قریب پانچ کو س ہے
 ہم کو انجنوٹ پر سوار کرایا۔ سوار کرانے کے بعد ہم سب کو قطار قطار کر کے
 اس پر بٹھلا دیا۔ اور سوائے پیرسی اور تھکڑی اور ڈنڈے کے جو پہلے سے
 زیب تن تھے یہاں ایک بڑی موٹی زنجیر لہنی بھی ہماری بیڑیوں کے پیچ میں
 پھنسائی گئی کہ جس سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے پافانہ پشاب کرتے
 رہے اس وقت قریب آدھا آدھا من کے لوٹا ہمارے جسم پر تھا باوجود
 اس قدر کثرت پانی کے دیرائے سندھ ہمارے زیر پا تھا۔ ہم بڑے
 بڑے تیمم سے نماز پڑھتے تھے کہ ہم جکڑے ہوئے پڑے تھے۔
 مگر جیل سے نکل کر اندر دوستوں کی مصاحبت اور آب حیا کی دھانی اور اس
 پاس کے جنگلوں کی سبزی کو دیکھ کر بہت اشتیاق تھے۔ اس کیفیت سے
 ہم پانچ چھ روز بعد کوٹلی میں پہنچ گئے۔ سکھ بکھرا درٹھٹھے کا نامی عمر بھی ہم
 کو ماہ میں سندھ کے کنارے پر ملا تھا۔ کوٹلی کے سامنے دوسرے
 کنارہ دیرائے سندھ پر حیدر آباد سندھ کی نامی بستی بھی دیکھنے میں
 آئی۔ کوٹلی سے اسی دن ریل پر سوار ہو کر ہم کراچی میں پہنچ گئے۔ اس ملک میں

بڑی بڑی اونچی ٹوپیاں منشی اور کلارک اور بڑی بڑی بگڑیاں ہندو جہاجن
 پہنتے ہیں جب ہم جیل انبار سے روانہ ہوتے تو ہمارا خیال تھا کہ انگریزی
 عملداری میں سب جگہ اردو یا فارسی کا دفتر ہوگا اور ہم بوجہ کمال اپنی منشی
 گری کے ہر جگہ محوری کے کام میں رہ کر قید میں آرام سے رہیں گے۔ اس
 خیال یا طے کے ساتھ فضل الہی کا ہم کو وہم بھی دل میں نہ گذرنا تھا گو محلات
 ہمارے خیال کے اردو اور فارسی کا دفتر ملان میں ختم ہو گیا تھا۔ ملک ہند
 میں سب سندھی زبان کا دفتر دیکھا گیا۔ سندھی علم کے حروف تو فارسی
 کے ہیں مگر زبان سندھی ہونے کے سبب ہم کو ایک لفظ بھی سمجھنا
 دشوار ہے۔ ملک سندھ ہم ناخواندوں میں شمار ہونے لگے اور وہ
 غرور منشی گری اور بھروسہ غیر اللہ خود بخود دل سے دور ہو گیا۔ الحمد للہ کہ
 کراچی کے جیل میں پہنچنے کے ساتھ ہی ہماری ہتھکڑی اند آٹے و ڈبے
 سے ترسجات ہوتی فقط بیڑی آہنی زیب تن رہی، بقابلہ سب دوسرے
 جیل خانوں کے جہاں جہاں یہ خاکسار رہا کراچی کے جیل کو جیل کیا ایک حمد
 بہان سراگنا چاہیے، وہاں رات کو قیدیوں کو بارک یا کوٹھڑیوں میں
 شل جانوروں کے بند نہیں کرتے بنگلوں کی طرح سے کھلے ہوئے مکان
 اور چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا قیدیوں کے واسطے موجود ہے۔ رات کو
 جہاں چاہو پھرو جہاں چاہو سوؤ کوئی مانع نہیں۔ پہرے والے فقط
 جیل کی فسیل پر پھرتے ہیں۔ رات کو جیل کے اند محاط یا پہرہ دار کا
 نام نہیں۔ دو برس کے بعد یہاں رات کو آسمان اور ستاروں کی نیارت

بھی ہم کو نصیب ہوئی۔ جناب باری میں سجدات شکوہ کیا لائے۔ یہاں قیدیوں کا کھانا بھی برنسٹ اور جیل خانوں کے نہایت عمدہ تھا۔ گیسوں کی روٹیاں گھی سے چڑی ہوئی اور عمدہ ترکاری اور گوشت غرض دو وقتہ پیٹ بھر کھانا یہاں قیدیوں کو ملتا ہے۔ مگر پاختانہ پھرنے کی بڑی وقت تھی۔ کیونکہ چوٹی پٹیوں کو میدان میں رکھوا دیا ہے۔ جس کے اوپر بدشاہی چڑھ کر برہمن سب کے سامنے قیدی پاختانہ پھرتے ہیں۔

باب (۱۵)

بمبئی

ایک مہنتہ کراچی میں ٹھہر کر ایک بادبانی جہاز جس کو بگلہ کہتے ہیں ہم سوار ہوئے۔ سب سے پہلے سمندر اور جہازوں کی زیارت ہم نے کراچی میں کی۔ یہ جہاز بہت چھوٹا تھا۔ مگر قیدیوں کو مثل بورہ مال کے نیچے کی تہ میں اوپر نیچے کر کے بھردیا تھا۔ قیدی گچ گچ ایک دوسرے کے اوپر نیچے پڑے تھے اور یہ بیت پڑھتے تھے۔

جائے تنگ ست مرد مال بسیار

وقار تبنا عذاب النار

جب فکر اٹھا کر تھوڑی دور سمندر میں جہاز پہنچا تو دریائے غلام اور امواج سے جہاز ہلنے لگا اور قیدیوں کو سخت قسری شرمع ہوئی تنگی

جگہ کے سبب سے ایک وہ سرے پر تے کرتا جاتا تھا۔ اس جہاز پر کچھ مسلمان خلاص تھے جنہوں نے ہم کو مولوی سمجھ کر حتی المقدور خود کھانے پینے سے بہت تواضع کی۔ تین دو تین روز کے بعد ہمیشگی تمام ہم داخل بندر بمبئی کے ہوئے۔ وہاں دیکھا تو کوسوں تک ہزاروں جہاز کھڑے تھے اس کو ایک جہازوں کا جنگل کہنا چاہیے۔ زیرِ طوع بمبئی کے ڈونگیوں میں بٹھلا کر ہم کو جہاز سے اتارا وہاں سے بذریعہ سواری ریل جیل خانہ تھا کہ جو بمبئی سے دس بارہ میل ہے ہم کو لے گئے۔ بمبئی میں پارسی مرقور کو ہم نے پھر تم ہوئے دیکھا۔ اس قوم کے لوگ بہت خوبصورت گورہ رنگ کے ہوتے ہیں امداددار بھی ہیں۔ یہ لوگ آتش پرست زردشت کی امت سے ہیں۔ خلیفہ دوم کی چڑھائی کے وقت ایرانی سے بھاگ کر اس حصہ ہندوستان میں آباؤ ہو گئے۔ بمبئی کی عمارات جہاں تک ہم کو دیکھنے کا موقع ملا نہایت اونچی اور دیواروں میں بے شمار کھڑکیاں تھیں ہوتی تھیں، بمبئی شہر بھی ایک ٹاپو ہے ایک بند بانڈھ کو اس کو برہمن غنیم ہند سے ملا دیا ہے۔ بمبئی اور تھا نہ کے بیچ میں بھی سمندر بہتا ہے اور اس کے پانی کو کھیت اور گیاروں میں روک دیتے ہیں وضو پ کی تپش سے وہ کھاڑ پانی خشک ہو کر عمدہ نمک خود بخود تیار ہو جاتا ہے۔ ہزاروں مین نمک کے ایٹار ریلوے سڑک کے کنارے کنارے لگے ہوئے تھے۔ تاریل کے درخت اور اس کا تانہ پھل بھی ہم نے پہلے پہل بمبئی میں دیکھا۔ یہاں کی عورتیں اپنی ساڑھی کو مثل مردوں کے

وصوفی کے طود پر پیچھے کی طرف ٹانگ لیتی ہیں۔ گھٹنے کے اوپر تک اور آدمی نیڑے یاں کھلی رہتی ہیں۔ یہاں کے ہندوؤں کی پگڑیاں بھی بڑی بڑی لمبی سر پر ٹوکرا سا رکھا رہتا ہے۔ اس ملک کی زبان گجراتی یا مرہٹی ہے جب ہم ریل سے اتر کر تھانہ کے بازار میں جیل کی طرف پا پادہ چلے جاتے تھے تو ہمارے ساتھی قیدیوں نے چند مٹھائی والوں کی دکانوں کو لوٹ لیا اور بے محابا اُس مال مغزوہ کو کھانے لگے۔ بے چارے دکاندار اُن کو قیدی سمجھ کر چپ ہو رہے بلکہ ہم نے دیکھا کہ بعض دکاندار اپنی مٹھائی لٹا کر بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کے منہ میں پڑنے کو بڑا پسینہ

باب (۱۶)

تھانہ جیل

چلتے چلتے قریب شام کے ہم تھانہ جیل کے دروازہ پر پہنچے جیل کیا ایک مرہٹوں کے وقت کا بڑا ٹھکانا اور مضبوط قلعہ ہے جس کے چاروں طرف ایک بڑی گہری پختہ خندق بنی ہے۔ جیل کے اندر داخل ہونے کے ساتھ ہی ہماری تلاشی شروع ہوئی اور ہم سب کی جوتیاں اتر والی گئیں۔ اور پھر چلتے وقت وہیں نہ ملیں۔ سنا ہے کہ ایک دفعہ کسی دل بھڑے قیدی نے داروغہ جیل کو جوتیوں سے مارا تھا اس وقت سے یہ قانون یہاں ہو گیا کہ قیدی جیل میں جوتہ نہ پہنے اور تنگے پاؤں

پھر اکیسے تاکہ دوبارہ ایسی نامعقول حرکت نہ کرے۔ رات کو دو دو چوڑا
 کی روٹیاں اور تھوڑی سی دال دے کر علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں ہم کو بند
 کر دیا۔ مگر بتائید الہی دوسرے دن سے پنجابی قیدیوں کو گندم خود ملک کے
 آدمی سمجھ کر گہیوں کی روٹیاں ملنے لگیں۔ اور ہمارے بعد سے یہ خصوصیت
 کل چالان آمدہ پنجاب کے واسطے ہمیشہ کے لیے مقرر ہو گئی۔ فجر کو ہمارے
 سب چالان کو پتھر توڑنے کی مشقت دی گئی۔ جس کو بمشکل تمام ایک دو
 دن کیا۔ ورنہ بعد ہمارے پہنچنے سے وہاں درہی باقی کا کام شروع ہو گیا۔
 اور ہمارے چالان کے پنجابی قیدی اس کے مہتمم مقرر ہوئے۔ اگر انہوں
 نے مجھ کو اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو درہی بافوں کا استاذ بیان کر کے
 اپنے ساتھ لے لیں جاں ہمارا ایک ہمینڈ بڑے آرام کے ساتھ ملے ہوا۔
 اس جیل اور ملک میں مریٹھی زبان کا دفتر ہے۔ فارسی اور اردو وہاں یہاں
 بھی ناخواندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اب کراچی اور تھانہ کے دفتر مل کا یہ
 حال دیکھ کر ہم کو تو یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم باقی عمر ناخواندوں میں گزار
 ہوں گے اور مسلم پکڑنے کی نوبت شاید کبھی آئے۔ وہ امید جو ہم کو فن
 منشی گری سے تھی قطع ہو گئی اب فقط فضل الہی کی امید باقی رہ گئی۔ اس
 جیل کا بڑا جیلریا داروہ تو ایک برہمن بڑا مدمنغ آدمی تھا۔ گواہ ہیم نام
 ایک مسلمان نائب داروہ تھے۔ القدر وہ خود ہماری بہت خاطر داری کرتا
 تھا۔ اب ایک ہمینہ رہنے کے بعد یہاں سے بھی ہمارے چلنے کی تیاری
 ہوئی۔ اس مسلمان نائب داروہ نے چلتے وقت ہماری بھاری بیڑیاں

نکل کر برائے نام ہلکی ہلکی بیڑیاں ڈھلا دی تھیں۔ ہند کے جیل خانوں میں
 دیسیوں کو خصوصاً شریفوں کو بڑی شکل ہے۔ نہ کھانے پکڑے کا بندوبست
 ہے نہ پاتخانے کا۔ رات کو ہر موسم میں بارکوں میں مثل جانوروں کے بند
 کر دیتے ہیں۔ بدعاشوں کو البتہ آرام ہے۔ ہمارے دیسیوں کے مدارج
 کا کچھ لحاظ نہیں۔ کالے کالے سب ایک سمجھ کر راجہ۔ نواب۔ جہتر۔ چار
 سب کو ایک ہی لالچی سے مانگتے ہیں۔ مگر کوٹ پتلون والوں کی ہاں بھی
 عزت کی اور دین و دوغلے دونوں مثل صاحب لوگوں کے دہاں بھی چینی
 کرتے ہیں۔

باب (۱۷) کالا پانی کو روانگی

واقعہ ۸ ستمبر ۱۸۶۵ء بسواری جہاز جنما ہم بمبئی سے کالے پانی
 کو روانہ ہوئے۔ یہ جہاز ولایت انگلینڈ کا تھا۔ اس کے کل خلاصی اور ہنر
 گدے تھے۔ ہندوستانی بات کوئی نہ جانتا تھا۔ موقی لال بابو ایک
 انگریزی والی قیدی اس جہاز پر ہمارے ساتھ تھا۔ اس کی معرفت سے
 جہاز والوں سے ہم کچھ بات چیت کیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس وقت ایک
 انگریزی بات بھی معلوم نہ تھی جہاز پر وال بھات اور سوکھی مچھلی مسلمانوں کی
 ٹورک تھی اور ہندوؤں کو چیتا دیا تھا۔ ہمارے ساتھی پنجابیوں کو جو روٹی

کھانے کے عادی تھے۔ ہینڈ بھر دو وقتہ چاول کھانے سے ٹپتی تکلیف
 ہوئی جب جہاز سمندر میں پہنچا تو طوفان اور تلاطم سے ہمتا تھا۔ اکثر آدمی
 تھے محسوس سے بیمار ہو گئے۔ ایک پنجابی قیدی میعاد ہی ہفت سالہ جس کے
 صرف پانچ برس اس وقت باقی رہ گئے تھے بیمار ہو کر جہاز پر مر گیا۔ ہم لوگوں
 نے موافق قواعد شریعت کے اس کے غسل اور کفن دے کر اور نمازِ جنازہ
 پڑھ کر اس کی مائش کے ساتھ بہت سے پتھر یا تارہ کر سمندر میں چھوڑ دیا۔
 ہمارے محافظ مرین پلٹن کے سپاہی جو بمبئی سے ہمارے ساتھ آئے تھے
 ہم لوگوں پر بہت مہربانی کیا کرتے تھے۔ جب سیلون یا شکا کے برابر ہمارا
 جہاز پہنچا تو سمندر میں تلاطم معلوم ہوا۔ وہ ہزاروں من کا جہاز مثل گنبد کے
 پانی پر اچھلتا تھا کبھی سمندر کپانی پہاڑ کی طرح ایک طرف سے آتا اور
 کبھی جہاز تیزوں نیچے پانی میں چلا جاتا۔ ۳۴ روز کے سفر دیبا کی کے بعد
 ۱۵ جنوری ۱۹۴۳ء کو ہمارا جہاز قبل از دوپہر پورٹ طیرانڈمان میں پہنچا۔
 انبار سے چل کر گیارہ جینے کے بعد داخل انڈمان ہوئے۔

باب (۱۸)

انڈمان

دور سے سمندر کے کنارے کے کالے کالے پتھر ایسے معلوم ہوتے
 تھے کہ گویا بحیثیتوں کے جھنڈے کے جھنڈ پانی میں پھر رہے ہیں۔ انگریزوں نے

تھوڑی دیر بعد محافظہ بند پورٹ بلیر ایک کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آئے۔ اس کے ایک ہندوستانی طرح سے میں نے پوچھا کہ یہاں کچھ منشی محروروں کی بھی قدر ہے اور دفتر کس زبان میں ہے۔ وہ شخص قرینہ سے مجھ کو منشی معلوم کر کے میری تسلی کے واسطے مبالغہ کر کے بولا کہ یہاں کے حاکم احمد مالک تو منشی ہی ہیں۔ وہ جو چاہیں سو کریں خیر اس نا اُمید پر جو کچھ بھی اہل تعانہ میں ہوئی تھی بر اثر وہ منشی کو کسی قدر تسلی ہوئی۔ پھر بڑے بڑے بوٹ اور کشتیاں کنارے سے آئیں اور ہم کو سوار کر کے روس نام ٹاپو صدر مقام انڈمان میں لے گئے۔ جب ہم کنارے کے نزدیک پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ سینوں منشی اور مولوی سفید اور غائب اس پتے پہنچے ہمارے منتظر کھڑے ہیں۔ ابھی کچھ کشتی میں سوار تھے کہ ایک آدمی نے کنارہ پر سے آواز بلند پوچھا کہ محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب بھی اس جہاز میں نہ گئے ہیں؟ میں نے جواب دیا ہاں وہ دونوں آئے ہیں۔ میرا جواب سن کر وہ لوگ پانی میں کود پڑے اور ہم لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ کشتی سے نیچے اتار لیا۔ نیچے اتر کر ہم کو یہاں معلوم ہوا کہ مولوی احمد صاحب ہم سے ایک برس بعد پتہ میں قید ہو کر ارجنٹینا گئے تھے کہ ہم سے چھ مہینے پہلے پورٹ بایر میں پہنچ گئے اس ایک دوسرے جہاز کے قیدیوں سے جو ہم سے اول ہی جیل تعانہ سے چل کر فقط وہ روز پہلے ہم سے پہنچے تھے۔ ہماری آمد کا حال معلوم کر کے مولوی صاحب ہمارے منتظر تھے اور یہ سب لوگ انہیں کے اشارے سے رہے بیٹھے کو گھاٹ پر آئے تھے خیر ہم لوگ بوٹ سے اتر کر اسی مجمع کے ساتھ صدر قمار اور موافقہ کرتے ہوئے اپنے جلال کے قیدیوں سے جدا ہو کر منشی غائب کی خدمت

محرم ربیع الثانی ٹینٹ کے مکان پر پہنچے وہاں مولوی احمد امجد صاحب اور دوسرے اکثر معزز لوگوں سے ہماری ملاقات ہوئی اور اسی مکان میں ہم تینوں کو دی رہنے لگے۔ اُسی دم ہماری بیڑی کٹوا دی اور عمدہ لباس جو ہمارے واسطے تیار کر کے رکھا تھا ہم کو پہنایا گیا اور تمام جلسہ کے ساتھ ہم نے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا یا اور اس تاریخ سے تاریخ رٹائی تک ہم نے پھر بارگ یا لباس یا کھانا قیدیوں کا کبھی نہیں دیکھا۔ گو اُسی تاریخ سے ہم قید سے رہا ہو گئے گویا غارِ برسن تک مثل طرمان کا لے پانی میں رہے اسی شام سے گھر گھر ہماری وعظیں ہونے لگیں اور وہ دفعہ امداد کھانے ہم کو کھانے لگے کہ ہند میں مجھ کو تو کبھی ویسے کھانے نصیب بھی نہ ہوتے تھے۔ وہ ہمارے خیال کو اب ہم کو ساری عمر صرت جیل کا کھانا کھانا پڑے گا۔ اس تاویرِ طیش نے اس نیم ابدل کے ہمارے دل سے طبع قمع کرا دیا اور اپنی قدرت کو دکھلا دیا جب ہم اس خیرے میں پہنچے ہزاروں مرد و عورت قیدیوں کو دیکھا کہ ماتھاؤں کا کھود کر پیشانی پر اُلی کا نام اور حجم اور لفظ دائم محبس کھا رہا ہے۔ کہ وہ نوشتہ مثل نوشتہ تقدیر کے تمام حس نہیں مٹتی۔ مگر یہ تاوید الہی سننے کے بجائے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے وہ حکم مانا کھکھوٹنے کا تمام عملداری سرکار سے ہمیشہ کے واسطے موقوف ہو گیا تھا اس سبب سے اس کے داغ دائم محبس سے بھی برہم ہو رہے۔

خداوند سبحان کے مشرق کو ۹۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول مشرقی اور ۱۱ درجہ ۰۰ دقیقہ عرض شمالی پر قطرہ سے قریب چھ سو میل کے واقع ہیں۔ یہ

مجموعہ جزائر ۴۶۷ میل کے گھیرے ہیں جس میں قریب ایک ہزار جزیروں کے
 شامل ہیں بنام انڈمان مشہور ہے۔ علم طبقات الارض کے محققوں کا یہ قول ہے
 کہ یہ جزائر کسی زمانہ میں برعظم ایشیا سے ملے ہوئے تھے۔ پھر زمانے کے پیر پھار
 اور سمندر کی موجوں سے کٹتے کٹتے اول یہ ٹکڑا برعظم ایشیا سے علیحدہ ہو گیا تھا۔
 اور پھر آٹھ سو ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہوئے ہزاروں چھوٹے چھوٹے
 جزیرے ہو گئے۔ یہاں پانچ روز میں کھلتے سے انگنٹوٹ پہنچتا ہے اور تین روز
 میں دنگون سے مولین یہاں سے تیس سو میل مشرق و شمال اور سنگاپور چار سو
 میل گوشہ مشرق و جنوب میں اور پانگ تین سو پچاس میل مشرق میں اور نکوبارہ
 یا نکوڈی اسی میل جنوب میں اور ملاس آٹھ سو میل مغرب اور نکاکا آٹھ سو میل گوشہ
 مغرب و جنوب میں واقع ہیں یہ جزائر سب پہاڑ ہیں ہمارے زمین بہت کم ہے یہاں
 سب سے اونچا پہاڑ مونٹ ہرمیٹ کہ ہے جو سطح سمندر سے ۱۱۶۰ فٹ اونچا ہے۔ بیٹھ
 پانی کھائی ندی نہاں یہاں جاری نہیں ہے برسات کے موسم میں بعض اونچے ٹھیکڑوں
 اور ٹھیکڑوں سے پانی کے جھرنے بہا کرتے ہیں۔ لیکن ایام خشکی میں بند ہو جاتے ہیں۔
 کوئیں اور ڈوگیاں یہاں بکثرت ہیں۔ یہاں کے جزائر میں پودے بیرک اور کو ایک
 گندک کا پھانٹ ہے اس سے ہر وقت آگ کے شعلے نکلوا کرتے ہیں۔ یہاں کے جنگل
 میں سوائے سور کے اور کوئی چوہا یہ درندہ یا چرندہ نہیں ہے۔ لعاب باہیل
 یہاں کا ایک عمدہ متحضر ہے۔ قوت باہ کے واسطے باہی مہنقر سے بڑھ کر
 سمجھا جاتا ہے اور بہت گرائی مثل ترقہ اور طلا کے بکتا ہے۔ یہاں کے جنگلوں
 میں ہزاروں قسم کی عمدہ لہیاں نکلتی ہیں جو ہمارے ملک کی گڑیاں

موجود ہیں۔ مگر ہمارے ملک کی کڑیوں سے سراسر غیر ہیں۔ بید بھی یہاں کئے جاتے ہیں۔ کئی قسم کا ہے اور اس کی کڑیاں بطور تحفہ کے ملک ملک کو جاتی ہیں حقیقت ابھر کی چھڑیاں مثل کالی ناگتھی کے اہل سنگھ اور ہزارا قسم ادھنگ بنگ کی کڑیاں اور طرح طرح کی سپدیاں یہاں کے مندیر سے نکلتی ہیں اور ملکوں کو بطور تحفہ کے جاتی ہیں۔ آم۔ اٹی۔ جامن کھنڈ۔ پڑھل۔ جا میل۔ ناریل۔ اور پاپن وغیرہ کے درخت جگرم ملک کے جنگلوں میں ہوتے ہیں یہاں سب خود موجود ہیں۔ اب جگم کے پھل ہو جانے سے پچاسوں گاؤں بھی یہاں آباد ہو گئے اور قسم قسم کی ترکاری اور گرم ملکوں کے پھل اور جان اور کلی۔ چار و رنگ و ماش و اونگہ یعنی نیشکر وغیرہ کثرت سے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر گیہوں چار و غیرہ بریج اور سرد ملکوں کے ناج یہاں بالکل پیدا نہیں ہوتے لیکن سرکاریوں چار و غیرہ کھیت سے ملک بحساب سات پائی فی پونڈ یعنی سوا آدھ میر کے فروخت کرتی ہے۔ اس سبب سے اس ملک میں کبھی قحط نہیں پڑتا۔ ہمیشہ ایک ہی نرخ سے غلہ بکتا ہے۔ آب و ہوا اس جزیرے کی قباب ایسی عمدہ اور صحت بخش ہے کہ اس کا ثانی پروردہ میں پرکھتی مکان نہیں ہے۔ جہیزہ اور چھیک اور وبائی بخار اور آتش چشم کے متعدی نمران بالکل نہیں ہیں۔ میس برس ہم نے کبھی ایک بیمار بھی ای بیمار یوں کا نہیں سنا۔ نہ یہاں سر اور کپڑوں میں جوئیں پڑتی ہیں اور نہ دوسرے موزی یا زحل سپا اور پھر کے ہوتے ہیں خطا متعا کے قریب ہونے کے سبب سے ہمیشہ بارہ ماہ یہاں وہی رات برابر ہوا کرتا ہے بہت ہی تھوڑا فرق پڑتا ہے۔ سردی گری یہاں دوزخ نہیں ہمیشہ ہمارے ملک کے چیت جیسا کہ کی کیفیت رہتی ہے۔ یہ جزیرہ

رات کو ایک چاند اڑھنے کی نوبت آتی ہے۔ سرمائی گہڑوں کا یہاں بالکل دستور نہیں نہ کوئی رضائی بناتا ہے۔ نہ دلائی نہ یہاں روئی ہے۔ نہ وختیا، یہاں نہ کبھی موسم خزاں ہے نہ بہار بارہ، مہینے وخت ہرے بھرے رہتے ہیں۔ غالباً یہاں کی موسم برہایت حال جنگلیوں کے خوشگے مادر زاد پھر کے ہیں اس حکیم و عظیم نے بنائی ہے۔ اگر سردی یا گرمی ہو تو وہ جنگی مخلوق خدا کو فنا ہلاک ہو جائے۔ یہاں کی بارشوں کی بہت کثرت مٹی سے نو میر تک آٹھ ہینے برابر رات دن برستا رہتا ہے۔ اسی سبب سے یہاں کے کانوں کی چھت ڈھلیں ہوتی ہے ہمدرد ملک کی کبھی کبھی اور چوٹی چھت اس بارش کا ایک دن بھی متاثر نہیں کر سکتی۔ اوسے وہاں کبھی نہیں پڑتے نہ کبھی آندھی چلتی ہے۔ جنگ نہایت گنجان اور دشوار گذار ہے۔ وخت اتنے اونچے ہیں کہ گویا آسمان سے باتیں کر رہے۔ جب کسی وخت کو کاٹ کر گراتے ہیں تو سینکڑوں گز تک ان کی ڈالیاں اور شاخوں کا اثر پہنچتا ہے۔ یہاں کے سانپ اور بھوپ میں زمر نہیں۔ لیکن یہاں کنگھوڑے بہت زمریلے ہیں۔ یہاں کے جنگل میں قدیم سے ایک وحشی جنگی مادر زاد قوم رہتی ہے۔ مرد و عورت کپڑا کوئی نہیں پہنتے اور نہ کپڑا ان کو میسر آتا ہے ان جنگلیوں کا صحیح حال اب تک معلوم نہیں ہوا کہ کب اور کس ملک سے آکر یہاں آباد ہوئے اور ہمیشہ سے ایسے ہی وحشی ہیں یا کبھی مہذب بھی تھے۔ یا نہیں یہ جنگلی جیسا کہ مشہور تھا آدم خود نہیں ہیں۔ نہ ان کے بدن پر بال ہیں۔ قریب سو برس کے ہونے سب سے اول نفٹٹ بلیر ایک جہاز ہی سرزد نے یہاں آکر لنگر ڈالا تھا۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر اس جزیرے کا

نام ہوا۔ انہیں ایام میں جس کو سورس ہوئے سرکار نے پہلے بھی قیدیاں جس
 بیور دیاتے شور کارکھنا تجویز کیا تھا۔ مگر نامو فعتی آب و ہوا کے سبب سے
 ۱۹۱۱ء میں یہ جزیرہ آباد ہو کر پھر اجڑ گیا تھا۔ ۱۸۷۱ء کی بغاوت کے بعد
 سرکار کو پھر اس کی ضرورت ہوئی اور مارچ ۱۸۷۱ء سے گویا دو بارہ اس کی
 آبادی شروع ہوئی اور پہلے پہل بغاوت کے قیدی یہاں لاکر رکھے گئے۔

باب (۱۹)

انڈین کے اصل باشندے

مذروع آبادی میں مدت تک جنگلی لوگ سخت مخالف رہے چنانچہ
 دومرتبہ انہوں نے ڈاکٹر واکر صاحب سپرنٹنڈنٹ اول کے عہد میں بڑی بھاری
 جنگیوں کی فوج جمع کر کے ایک دفعہ ہمدرد دوسری بار بارڈین پر حملہ کیا تا فر
 ملائی اور جنگ عملی سرکار سے وہ فرما نہ دار ہو گئے۔ ادب جنگل یا بستی میں
 جہاں کہیں دے ملتے ہیں تو نہایت خاطر طاری سے پیش آتے ہیں۔ گو
 مذروع آبادی میں ان وحشیوں نے بہت خون خرابے کیے تھے۔ یہ لوگ چار
 فٹ سے پانچ فٹ چار انچ تک اونچے مثل حبشیوں کے سیاہ قام گول سز
 آنکھیں ابھری ہوئیں۔ سر پر بیڑ کے سے بال مگر نہایت مضبوط اور قوی ہوتے
 ہیں۔ ان کل جوائنڈمان میں ان کی بارہ قاتیں ہیں۔ ایک قات کی زبان دیکھ
 قوم سے بہت کم ملتی ہے۔ یہ جنگلی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا آسمان میں رہتا

ہے وہی خالق ہر شے کا ہے اور سب سے بڑا ہے۔ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا
 وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا محل بہت عمدہ اور نفیس آسمان
 میں ہے۔ اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اسی کے گھر سے پانی برستا ہے بجلی کا
 شعلہ اور کڑک بھی اسی کے پاس سے آتی ہے۔ موت بھی اُسے کے حکم سے ہوتی ہے۔
 بعلانی اور روزی بھی وہی دیتا ہے۔ مسماۃ چاننا پاک ایک اس کی جود بھی
 ہے۔ اس کی جود کو بھی فنا نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوئی۔ مگر اس کا درجہ خدا
 سے کم ہے۔ اس کا نام ہے کہ سمند میں پھلیاں پیدا کرے وہی پھلیوں کو آسمان
 سے گراتی ہے۔ یہ لوگ شیطان کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سب بُرے
 کام شیطان کرتا ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ شیطان وہ ہیں ایک نبی کا شیطان
 جس کا نام ارم جو گلا ہے۔ جب زمین پر کوئی ناگہانی موت سے مر جاتا ہے تو
 یہ سمجھتے ہیں کہ ارم جو گلا نے مار ڈالا ہے۔ ایک سمند کا شیطان ہے جس کا نام
 جود و نڈا ہے۔ جب کوئی آدمی ڈوب کر مر جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کی جود و نڈا
 نے مار ڈالا ہے۔ یہ لوگ فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مردِ عورت
 دونوں جنس سے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں اور انسانوں کی حفاظت کرتے
 ہیں۔ یہ لوگ بھوت پریت کے بھی قائل ہیں مگر کہتے ہیں کہ ان کو کچھ خستہ
 نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا یا غیر خدا کی کسی چیز کی پوجا نہیں کرتے۔ یہ لوگ طوفانِ ح
 کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک بار زمین پر ایسا طوفان آیا تھا کہ ساری دنیا
 ڈوب گئی تھی۔ اور ان جھلیوں کے بزرگ ایک کشتی بنا کر اس پر سوار ہو گئے تھے
 اسیام طوفان میں بہت دنوں تک اس کشتی پر سوار رہے۔ جب طوفان رفع ہوا

تو کبھی کسی پہاڑ پر منجھد کہ مائے جزائر انڈمان کے ٹھہری تھی۔ یہ لوگ دوسے زیادہ گفتی نہیں جانتے۔ جب کوئی چیز دوسے زیادہ گنتے ہیں، تو انگلیوں پر اشارہ کرتے ہیں یہ لوگ ننگے ماہ زاد بھرتے رہتے ہیں فقط عورتیں ایک چھوٹا سا پتا اندام نہانی پر ناگریہ میں اٹھا کر رکھ لیتی ہیں۔ مرد عورت اپنے بدن کو بوتل وغیرہ کے ٹکڑوں سے گود کر بھڑوں کا چھتا یا گھٹی کا کپڑا سا بنا لیتے ہیں۔ مونچھ ٹاڑھی یا سر کے بال مرد عورت کوئی نہیں رکھتا۔ ان کو بوتل کے ٹکڑوں سے تراش ڈالتے ہیں۔ ان کا بیاہ بھی بہت سیدھے سادے طور پر ہوتا ہے۔ بدقت شادی دولہا دلہن دونوں کے بدن کو گیر واور چربی سے لال رنگتے ہیں اور ساری قوم اس وقت جمع ہوتی ہے۔ ایک آدمی اس جلسہ میں بطور قاضی کے ہوتا ہے وہ شیخص دولہا کو اٹھا کر دلہن کے پاس لے جاتا ہے۔ اور دولہا کے سامنے بہت سے تیر و کمان رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے شکار کر کے اپنی عورت کی پرورش کرنا اور پھر وہی آدمی کا ماز بلند لفظ آب اک یعنی لے جاؤ یہ تمہاری بیوی ہے کہتا ہے۔ اس کھنڈ کے بعد عقد پتھا ہو گیا اور پھر تاحیات دونوں کے نہ طلاق ہے نہ جُدائی۔ شادی کے بعد ان میں زنا نہیں ہے۔ لڑکا پیدا ہوتے وقت پردہ کرنے کی ان کے یہاں کچھ منہ عدت نہیں ہے مردوں کے سامنے عورتیں بچے جنمتی ہیں بعد پیدا ہونے بچے کے ایک عدت بتوں سے کھچیاں ڈالتی ہے اور ایک عدت نال کا مشکہ بچہ کو گود میں لے کر بیٹھتی ہے۔ پہلے دن بچہ کو غیر عورت کا دودھ پلاتے ہیں۔ دوسرے دن بچہ کی ماں پلانے لگ جاتی ہے۔ اور بعد وضع حمل کے

زچہ اُسی دم چٹھے پھرنے لگ جاتی ہے۔ ہر شے جنگل کی کھاتی ہے۔ پر ہیز
 اچھو اتی کا نام نہیں۔ جب سچو تھوٹا ماریا ہوتا ہے تو تیر کھٹا س کا پہلا
 کھیل ہے۔ ان لوگوں کا گھر بھی بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ صرف چار کھبے
 کھڑے کر کے اُس کے اوپر تھوڑی سی پتی ڈال کر ایک چند روز کا سر بنا لیتے
 ہیں۔ ان کے گھر میں اگر جا کر دیکھو تو سوائے میاں بیوی کے اور کچھ جائداد
 اہمیت نہیں۔ تیر و کمان ان کی اصل جائداد بلکہ جان ہے۔ چھوٹی چھوٹی
 ڈونگیاں (کشتی) بھی یہ لوگ بناتے ہیں جن پر سوار ہو کر ایک ٹاپوسے دوسرے
 ٹاپو کو جاتے ہیں۔ اپنے مُردوں کی کھوپریاں یہ لوگ ساتھ ساتھ لیے پھرتے
 ہیں۔ جب کوئی مہمان کسی دوسرے ٹاپوسے ان کے یہاں آتا ہے تو پہلے
 تھوڑے فاصلہ پر ان کے گھر سے بیٹھتا ہے گھر والے اُس کو وہیں کھانا
 پہنچاتے ہیں بعد کھانا کھانے کے دو جس گھر میں چاہتا ہے جاتا ہے۔ پھر
 سب اُس سے مل کر روتے ہیں۔ یہ لوگ کھیتی باڑی نہیں کرتے اور نہ اناج
 کھاتے ہیں۔ ان کا کھانا مچھلی اور سمندر کے کٹرے کوڑے کچھوے وغیرہ ہیں
 ان کو بکرا کر اداگ پر نیم بریاں کر کے بے نمک مرچ کے کھا جاتے ہیں۔
 بعض درختوں کی جڑیں اور پھلیاں اور جنگل کے پھل اور پتی اور سور کا گوشت
 اور شہد بھی ان کی خوراک ہے۔ غولہ زنی کے یہ لوگ پھین کے عادی ہوتے
 ہیں کہ شاید کوئی دوسری غولہ زن قوم دنیا کی ان سے سبقت نہ لے جاوے
 تیرانا ز بھی یہ لوگ بلا کے ہیں سب سیدھے تیرا رتے ہیں بہت کم ہے
 کہ ان کے تیر کا نشا نہ غلط لگے۔ ان لوگوں میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہے۔

جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ خود یا اس کا کوئی عزیز نہایت بے دردی سے
 اور ناٹھی پنہ سے بوتل کے ٹکڑوں سے زخم کیسے خون نکال دیتا ہے۔
 اور جب کوئی مر جاتا ہے تو ایک ٹوکری میں مڑے کو رکھ کر اس کے ٹھنڈوں
 کو مڑ کر اس کی چھاتی تک لاکر باندھ دیتے ہیں اور مارے اعصابوں کو
 درخت کے چھکوں سے کسے ہیں اور پھر قبر کھود کر اس میں گاڑ دیتے ہیں اور
 قبر کے نزدیک آگ جلتی رہتی ہے اور ایک یا دو جینے کے بعد اس کی قبر کھود
 کر اس کا ماتم کر کے اس کی ہڈیوں کو اس کے سب عزیز واپس میں تقسیم کر لیتے
 ہیں اور پھر ان کو حذ جان کر کے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور کسی لاش کو
 بیکارے گاڑنے کے ایک بچان پر رکھ دیتے ہیں یا کسی درخت کی شاخ پر
 لٹکا دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے سے آدمی نیست و نابود ہو جاتا
 ہے دوبارہ زندہ ہونے اور حیاتِ آخرت کے قائل نہیں۔ وہ لوگ ناچتے
 اور گاتے بھی ہیں۔ مگر کوئی باجہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اور نہ مرنے والے اس کو
 معلوم ہے۔ ان لوگوں کا کوئی مذہب اور ملت نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا
 مذہبی سرکار اور ملا ہے۔ مگر اخلاق اور دھرم اور دیانت اور راست بازی
 ان میں ہے۔ پہلے یہ لوگ روپیہ خریدنی اور پیسوں کی کچھ قدر نہیں جانتے تھے۔
 جو کوئی ان کو دیتا اس کو بے کراہہ دیکھ بھال کر زمین پر بھینک دیتے تھے۔
 گلاب تو بڑے لالچی ہو گئے۔ راہ چلتوں سے پیسہ پیسہ کر کے سوال کرتے
 ہیں۔ ان جنگلیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور ان کی لڑکیاں بھی بہت جلد
 بالغ ہو کر اور تیس برس تک بڑھی پھوس ہو جاتی ہیں۔ دودھ مانتا نام ایک

ہندوستانی آدمی نے بہت عرصہ پہلے ایک جنگلی عورت سے شادی بھی کی تھی۔ گھراس کی رٹائی ہو جانے کے سبب سے وہ ہندوستان کو چلا گیا اور بے چاری جنگلن کو وہیں چھوڑ آیا۔

۱۸۵۵ء سے ۱۸۶۵ء تک ان جٹار کی آب و ہوا سم قاتل تھی جس کو زخم ہو گیا وہ تیس روز بیدار لگا اور چوتھے دن مر گیا۔ زخم کیا تھا گو یا پیام اجل تھا بشرط آبادی میں یہاں اسکروئی کی بیماری بھی بڑے زور شور سے تھی۔ یہ ایک جہازی بیماری ہے۔ اس سے منہ پک جاتا ہے اور پنڈ لیا سخت پتھری ہو جاتی ہیں اور آدمی مر جاتا ہے۔ اس بیماری سے بھی ہزاروں رہی آخرت ہو گئے۔

باب (۲۰) انڈین کی زندگی

احمد شہد و المسنت ہمارے وہاں پہنچنے سے ایک برس پہلے وہاں کے سب اراض رنج ہو کر وہ جزیرہ خونی آب و ہوا میں رشک کشید ہو گیا تھا۔ جہاں بیس برس تک ہمارا سر بھی نہ دکھا اور بڑے آرام اور راحت سے ہری قید بسر ہوئی بوجہ کثرت بیماری اور نئی آبادی کے انگریزوں نے شروع میں یہاں کے قوانین بھی قیدیوں کے واسطے نہایت نرم کر رکھے تھے۔ اور قیدیوں سے ہر طرح کا سلوک کرتے تھے۔ مگر حبیب وہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو گئی۔

اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ تب تو رمان کے ایسے سخت قانون بنائے کہ الاماں -
ہند کے حیلوں پر بھی سختی بڑھا دی مگر ہم لوگ ایک وسط زمانے میں پہنچے تھے
کہ آب و ہوا عمدہ ہو گئی تھی مگر ابھی قانون میں سختی کی تربیم نہ ہوئی تھی۔ اس واسطے
انہو سے قانون عام خائنہ کے ہم کو ہر طرح کا آرام اور آسائش اور عمدہ
اور سخاوت وغیرہ جاتے ہی مل گئے۔ لیکن ہمارے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد
وہاں کے قوانین سخت ہونے لگے۔ بہرہ کو اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ نیا
قیدی یہاں کر دس برس تک سخت مشقت کرے اور جھڑا رہے سختہ
کھانا پاجے اور وہی کا کپڑا پہنے اور بارگ میں رہا کرے اور کسی قسم کی ہر بات
اس پر نہ لی جاوے چنانچہ قانون انڈیاں ہندہ مشغلہ کا ایک فقرہ بطور
مثال ذیل میں لکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سزا جس بطور دیا گئے شور سے سخت
مشقت کا کرنا اور فقط اس قدر کھانا پانا کہ جس سے آدمی زندہ رہے۔ ضرور دیا
لازم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی خیر یہی کہ جس قدر نئے قانون سختی کے آتے رہے
وہ فقط آمد جدید قیدیوں پر مؤثر ہوتے تھے ہم پرائے قیدی ہمیشہ ان سے
مستثنیٰ ہو جاتے تھے۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اس قدر شہر کی بدولت
بیسویں راجے اور نواب اور زمیندار و مولوی سختی و ٹپشی کلکٹر و نصف و صد
ایمن و صد الصدور و سالار و صوبہ دار و محکمہ دار وغیرہ وہاں قیدی ہیں۔ مگر وہ جز
ہندوستانی جٹیلیں بھی جن کے آگے سینکڑوں ہزاروں نوکر تھے بوجہ سیاست
پوست اور جنم ہند کے دوسرے چوڑے جہادوں کی طرح موٹا بھوٹا کھاتا
پاتے اور عام لوگوں کے ساتھ سخت مشقت کیتے تھے۔ مگر حضرت یورو ہیں

گورے بلکہ اکثر دو غلے کالے کھوٹے بھی فقط بوجہ بشارت کوٹ پتلون یا کلمہ
جیسا کی کے پٹن کے گوروں کے برابر رکھا تا کہ پڑا پاتے تھے۔ ایک علیحدہ
بنگلیا اُن کے رہنے کو ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کو اور جس گورے یا دو غلے
کو لائنس مل گیا تو اُن کو پچاس روپیہ یا سواری تک نقد تنخواہ بھی ملتی ہے۔
تو سب کچھ تھا مگر مسئلہ کا ایک نیا واقعہ عبرت انگیز دیکھ کر لوگوں کو
رونا آتا تھا اور وہ یہ ہے کہ مسئلہ میں ایک بد بخت راجا جگن ناتھ
پوربی کا جس کے واسطے مدت تک اخباروں نے بھی سر پھوٹا تھا قید ہو کر
کالے پانی میں پہنچا۔ مگر بوجہ کالا چہرہ ہونے کے بے چارہ عام جو ہڑے
چاروں کے ساتھ کھانا پاتا اور مشقت کرتا تھا اور جب بوجہ نالک مزاجی
اُس سے مشقت نہ ہوتی تو بیت اور جیل اور چکی پیسنے کی سزا پاتا رہا۔ آخر
انہی حدوں سے تھوڑے روز بعد وہ راجہ جیل میں مر گیا۔ اور انہیں
ایام میں مسٹر ییمیز نام ایک کرائی بھی گوہن سے کالہ مگر پوربی نام اور کوٹ
پتلون سے مشرت لکھا اور وہ سے قید ہو کر وہاں پہنچا تھا اور اُس کو گول
کیسا عمدہ کھانا ملنے لگا۔ ایک علیحدہ مکان پٹنگ وغیرہ کل سامان عیش
و آرام کا مل گیا اور بجائے مشقت کے کچری ٹیڑھی کشتہ میں کلا رک ہو گیا
چونکہ یہ کجنت راجہ اور یہ خوش نصیب کرائی دونوں ایک ہی وقت میں
پہنچے تھے یہ مسئلہ سن لو کہ اور طرف داری کوٹ پتلون اور نہ قدر

باب (۲۱)

شادی خانہ آبادی

اتفاق حسنہ اور فضل الہی سے ہمارے اندام پہنچے کے ایک ہفتہ بعد پچاس قیدی بغاوت سلسلہ کے جن میں اکثر منشی اور جبار وغیرہ بھی تھے حسب الطلب راجہ برکس کے جزیرہ سراوک کو کہ ایک ملائی ملک سنگا پور کے مشرق کو واقع ہے بھیجے گئے تھے۔ اس سبب سے عمدہ عمدہ عہدے منشیوں کے خالی تھے۔ میری مہارت کا حال ان لوگوں اس وقت بذریعہ اخبار مل کے اور نیز مولوی احمد اللہ صاحب سے معلوم ہو چکا تھا اس واسطے میں تو جہان سے اُترنے کے ساتھ ہی کچھری صاحب نیوٹرڈ اور چیف کمشنر میں محروس کشنوار یا نائب میر منشی مقرر ہو گیا۔ ایک گھر رہنے کو ایک نوکر بلا خواہ خدمت کو مل گیا۔ مثل آزادان کے جہاں چاہتا رہتا جہاں چاہتا جاتا۔ روک ٹوک ملتی نہ رہی۔ اس وقت میرا عین عالم شباب قریب ستائیس کے سن و سال تھا جس میں مجھ دی دینی دنیوی دونوں قیاحتوں سے خالی نہ تھی اس واسطے اول میں نے چاہا کہ ملک سے انجی بیوی کو بلوں گزرنے کو قانون مانع ہو ۲۰ سال سے میں نے بنے پہنچے کے خزانہ جہاں ایک نوادر ہشیری عورت ہے۔ وہی کرنی یہ سو۔ نہایت۔ در۔ سن۔ ایک۔ ہفتہ۔ الہامی میں چھپس کرواں۔ سنی نفی چھو محمد مرید۔

اور خدمت گزار ہوئی۔ اب میں دیکھتا تھا کہ رفتہ رفتہ ہر ایک چیز کا جو ہند میں
مجھ سے چھوٹی تھی نعم البدل مجھ کو منا شروع ہوا۔ اور جنہوں نے میری دشمنی پر
کمر باندھی تھی ایک کے بعد ایک تباہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ میرے ہند میں
واپس آنے کے وقت تک ہر شخص حسبِ مدارج خود اپنی اپنی جزا واجب
کو دنیا ہی میں پہنچ چکا۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء کو جس زمانہ میں یہ خاکسار جزیرہ
پرنس پینٹ میں تھا مولوی عبدالرحیم صاحب بھی انڈیا مان پہنچ گئے اور
وہاں جا کر اول گھاسٹ منشی مقرر ہوئے اور پھر اس کے کچھ عرصہ بعد ہسپتال
مقرر ہو گئے اور قریب برس کے اس طرح سے کارسار کر کے پھر انہوں نے
دکان بزازہ کھولنے کا ٹکٹ لے لیا۔ اور اسی پیشہ و کار میں سے ان کی مائی
ہو گئی۔

سمند کے کنارہ کے ملکوں اور جہازی ملازمین اور سیاحین پر اکثر
بحری آفات بھی پڑا کرتی ہیں جن سے ہند کے آدمی سراسر ناواقف ہیں۔ کاکے
پانی میں بھی ہر سال بہت سے آدمی اور کشتیاں سمند کی نذر ہو جاتی ہیں۔

باب (۲۲) تین مہلک حادثے

مجھ کو بھی اس مدتِ بے بس سال میں بارہا ان آفات کا سامنا ہوا مگر
میں ڈوبنے کے وقت جب میں چاروں طرف سے ناامید ہو کر اللہ رب العزت

کی طرف دل سے رجوع ہوا تو اس ربِ قدیر نے فرما بچا دیا۔ منجھل بہت سے آفات کے جن میں یہ خاکسار مبتلا ہو کر وقتاً فوقتاً ہتھیار مارا۔ صرف میں تین واقعوں کا مختصر یہاں ذکر کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں جزیرہ روس سے پرسو برس پینٹ نام ٹاپو کو جاتا تھا۔ پرسو برس پینٹ کے نزدیک پہنچ کر ایسا سخت طوفان ہوا کہ کشتی ڈوبنے میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔ اس وقت ایک موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل سنگ کے نزدیک کر دیا کہ اس وقت میں اور ایک دو دوسرے مسافر پھرتی کشتی کے پل پر کود پڑے۔ اور سہ ماہ کو دنا تھا کہ ایک دوسری موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل پر دس ماہ پس کشتی پر نہ پہنچ ہو گئی اور باقی ماندہ لوگ سخت مجروح ہوئے۔ اسی طرح ایک روز ایرڈین سے روس کو جاتے وقت ایک طوفانی موج نے کشتی کو پل پر پلنگ چاٹا تھا کہ ہم کو دس پل پر جا کھڑے تھے۔ تب کشتی پل سے ٹکڑ ٹکڑ ہو کر پڑنے پڑنے ہو گئی اور اکثر مسافر مجروح ہو گئے بار بمباری ڈبے سے بچے۔ ایک تیسری بار ہماری کپڑی کا سارا حملہ ایک کشتی میں سوار ہو کر روس سے ایرڈین کو آتا تھا۔ وسط راہ میں ایک ایسا سخت طوفان آیا کہ سب لوگ ناامید ہو گئے اور اپنے کو مردہ سمجھ چکے تھے بارش اور ہوا بھی بڑے زور سے تھی۔ نہ نزدیک کنارہ تھا نہ کوئی فریاد رس تھا۔ اندھیرا ایسا تھا کہ کناروں سے ہماری اس مصیبت کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت کشتی کا سکان بھی ٹوٹ گیا۔ پانی سے کشتی بھر گئی کوئی چارہ کار و علاج باقی نہ رہا تب میں نے اس فریاد رس اور دستگیر دراندگان کو پکارا۔ میرا دعا گنا تھا کہ غیب سے ہمارے

نزدیک ایک ایک بڑی کشتی جس میں سردار بھیل سنگھ پرنسٹنٹ پولیس
سوار تھے ظاہر ہو گئے اور ہم کو اس حال تباہ میں دیکھ کر جھٹ پٹ اُنہوں نے
ہم کو اپنی کشتی میں لے لیا اور صبح سلامت کنارہ تک پہنچا دیا۔

جنوری سہ ماہی میں یہ خاکسار جزیرہ بدو کو بدل آیا۔ اور وہاں اسٹیشن
محرر مقرر ہو گیا۔ ۲۰ فروری سہ ماہی کو مقام روس مولوی کچھ علی صاحب (جی)
فردوس ہوئے۔ اور گو میں اُن سے بہت فاصلہ پر جزیرہ بدو میں تھا اور مجھ کو
اُن کی بیماری تک کی بھی اطلاع نہ ہوئی تھی مگر تقدیر مجھ کو جیسے اس وقت
جزیرہ روس کو لے گئی کہ جب اُن کا جنازہ تیار ہو کر نماز پڑھنے کی تیاری ہو رہی
تھی ہمارے مقام سے کل آدمی اُن کی تہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے تھے۔
میری بیوی مولوی کچھ علی صاحب سے رید بھی تھی اور اُن سے بہت محبت کرتی
تھی اُس کو اس موت کے سبب سے زیادہ صدمہ پہنچا۔ بلکہ ۲۲ اپریل سہ ماہی
کیولری صاحب کی وفات سے سوا دو ماہ بعد وہ نیک بخت بھی باہمی فردوس
ہوئی۔ ہند سے قید ہو کر جانا گویا اس بی بی کا اسی خاتمہ بخیرے واسطے تھا۔ کہ
تھوڑے دنوں میں اس کو نصیب ہو گیا۔

باب (۲۳)

تجارت

اس بی بی کی وفات کے بعد میں نے صبر زید وغیرہ فروخت کر کے

بقصد تین سو روپے کے دہلی کو اپنی بیوی گلان کے پاس بھیجے تھے کہ ان
 کا مال سمیٹ کر وہاں پہنچے۔ لیکن یہ سب کچھ بیکار ہو گیا۔ ان ایام میں پٹنہ
 بلیر میں دہلی کا مال گننے چوکنے دائم پر فروخت ہوا تھا۔ اگر یہ مال وہاں بہت
 ضائع ہو گیا اور دہلی سے روانہ ہونے کی تاریخ کے دو برس بعد مٹا کر ہوا۔ اس
 مال سے ملنے میرے پاس پہنچا تھا جس میں سے فقط ایک سو پچاس روپے بچے کہ
 وہوں ہوتے اور ایک سو پچاس روپے بھی جب دوبارہ ایک دوست کے پاس
 لکھنے کو واسطے منگائے اور مال کے میں نے رعاز کیے تو رنگالی بابوؤں نے خبری
 کر کے وہ ہنڈوی پکڑا دی تھی کیونکہ میں ملازم سرکار اور مجھ کو ہمیشہ تجارت کا
 کرنا منع تھا۔ میں نے وہ مال ایک سو دو گرنے نام سے منگایا تھا اور ہنڈوی ایک
 افسر اسٹیشنڈ کمشنر کی طرف سے تھی خط مایلب مال میری طرف سے
 لکھا ہوا تھا۔ وہ لغاتہ خط اور ہنڈوی کے گرفتار ہو کر صاحب چیت کشی
 کے سامنے پیش ہوا۔ بلحاظ صورت مقدمہ ضلعی ہنڈوی اور میری منتر کا پورا
 ہو گیا تھا۔ مگر خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھ کو اور ہنڈوی دونوں
 کو بچا لیا۔ لیکن وہ سو باگر جن کے پاس ہنڈوی بھیجی گئی تھی، اس کا یہ میرے وصول
 کے ٹکٹ سے قرار ہو گیا۔ غرض ہمیشہ تجارت میرے واسطے منع نظر آتی رہا
 جس کو اس تاریخ کے بعد میں نے پتہ نہ پتہ کیا اس بیوی کی وفات کے بعد
 میں اور دو برس مجھ رہا مگر بدوٹا پور جہاں اس حالت پر میں قیام تھا۔
 عہدوں سے بھرا ہوا اور میں اس ٹاپوں میں افسر تھا۔ بہت سی عہدوں سے مجھ کو اپنا
 شکار کرنا پڑا مگر مخالفت اور مصائب طبی میرے قابل حال رہی اللہ رب العزت

نے مجھ کو ہلاک ہونے نہیں دیا گو میرے عہدہ کے سبب سے رات دن مجھ کو ان وحشیوں کے ساتھ ملنا پڑتا اور طرح طرح کے ایسے سرکاری کام بھی پڑتے کہ وہ اکثر میرے گھر میں بھی آتیں اور میرے پھنسانے کی کوشش بھی کرتیں۔ لیکن جس کو خدا بچا وہ سب اس کو کون مارے۔ میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنی بیوی کو پانی پت سے پھر ملانا چاہا۔ مگر اس وقت وہ راضی نہ ہوئی اور حجب ایک دفعہ اس کی رضامندی بھی ہوئی تھی تو میری درخواست حاکم وقت نے نامنظور کر دی۔ اس واسطے مجبور ہو کر کسی نیک بخت عورت سے وہیں نکاح کرنے کا صلاح چٹھری اور اس بات میں درگاہ الہی میں بھی التجا کی گئی۔ مگر اس مقدمہ میں جیسے تجھے پسند ہو رہا غیب سے اسے ظاہر کر دے اور کسی نیک بخت سے میرا جو کرنا تو۔ اول بعض دوستوں کی صلاح سے یکے بعد دیگرے دو پنجابی مسلمان عورتوں سے میرے نکاح کی بات چیت شروع ہوئی۔ مگر باوجود رضامندی طرفین اور نہ ہونے کسی ظاہری مانع کے ان دونوں جگہوں کی صلاح خدہ خجود موقوف ہو گئی اور غیب سے وہ بات درجہم برجم ہو گئی اس وقت میں موقوفی کے اسرار ظاہر معلوم ہوتے تھے کیونکہ وہ دونوں عورتیں بارگ میں بند رہتی تھیں۔ ان کے چال چلن پر گہری رائے قائم نہیں ہو سکتی تھی، مگر تھوڑے بعد جب وہ دوسرے آدمیوں سے شادی کر کے بارگ سے باہر ہوئیں تو پوری فاحشہ اہل بد بکاراں اس وقت وہ جگہ الہی موقوفی میری شادی کی معلوم ہوئی اور اس متعلق میں میری پریشانی شکر الہی بجالایا اس مابین میں کہ میں ایک صاحب اور جوان عورت کا مشاقتی تھا۔

باب (۲۳)

دوسری شادی

ایک ہندو عورت قوم برہمن خلیج المودہ کی رہنے والی نئی قید ہو کر وہاں پہنچی اور بارک غرات ہندو میں ہمارے حوالہ ہوئی۔ میں نے اس کو دیکھا کہ نہایت خوش چلیں اور شرمناک عورت ہے۔ مگر میرے سر سے کی اپنے ہندو دھرم میں تعصب تھی۔ کسی مسلمان عورت کے نزدیک کھانا کھانا اور کپڑا چھونا حرام گوارا نہیں کرتی تھی۔ بارک کی مسلمان عورتیں اس کے تعصب سے تنگ آ گئیں۔ میں نے بریسیل تذکرہ ایک روز اس سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میرے واسطے دنیا اور آخرت میں بھلا ہو گا۔ اور آگ و درخ سے بھی نجات پاوے گی۔ پہلے تو یہ سوال سنا کہ اس کو سخت حیرت ہوئی لیکن روز ازل سے اس کا مسلمان ہو کر میرے بہت سے بچوں کی والدہ ہونا مقصد ہو چکا تھا اور اسی سبب سے گو وہ برہمنوں کے گھر ایسے ملک کو ہستان میں پیدا ہوئی تھی جہاں اب تک بھی مسلمانوں کا نام و نشان نہیں۔ مگر تو جی ہمیشہ شرمناک اور بد پرستی سے بیزار رہتی تھی اور کبھی بھی توں کی پوجا میں شریک نہیں ہوئی۔ گو اس بیزاری کا سبب خود اس کو بھی معلوم نہ تھا۔ بلکہ اس کی وضع اور عادت کو دیکھ کر ایک جوشی برہمن نے اس کی والدہ کو یہ خبر بھی دی تھی کہ یہ لڑکی جلد تم سے جدا ہو جاوے گی۔ اور اپریل ۱۸۸۷ء میں میری

کشمیر بیوی فوت ہوئی۔ اور الموڑہ کے پہاڑ پر میری اس برہمنی بیوی پر
ایک ناگہانی مقدمہ کھڑا ہو کر گرفتار ہو گئی۔ چنانچہ مختصر صورت اس مقدمہ
کی یہ ہے کہ ایک لڑکی جو اس میری بیوی کے ساتھ باہر ایک ٹھکانے کنوئیں
کھیل رہی تھی۔ پاؤں پھسل کر کنوئیں میں گر کر سخت مجروح ہو گئی۔ گو اس
ناگہانی آفت میں میری بیوی کا کچھ قصور نہ تھا۔ مگر ان دونوں لڑکیوں کے
والدین میں سخت عداوت تھی۔ بوجہ اس عداوت کے ایک مقدمہ اقدام
قتل اس بے گناہ پر کھڑا کر دیا گیا وہ زخم بھی چند روز کے بعد اچھا ہو گیا تھا اس
سبب سے قانوناً یہ مقدمہ اس لائق نہ تھا کہ اس میں دائم الجسی کی مراد چلی جائے
مگر اس حکیم اور قید کو اس وقت اس بیوی کا پورٹ بلیر سنبھالنا اور میری بیوی
کو لانا منظور تھا۔ تو اس جرم میں گرفتار ہو گئی۔ پہلی ہی شب گرفتاری کو وقت سحر
اس نے ایک بزدل فردانی چہرہ بوڑھے مسلمان کو خواب میں دیکھا جس نے
اس کو ایک ٹھوکہ مار کر اس سے کہا کہ اٹھ فانیڑ دھو اور دعا کر تیرے واسطے قید
ہونا اچھا ہوا۔ اس نے اس سے پہلے ایسی شغل اور معیت کا انسان کبھی نہ دیکھا
تھا اور فقط نماز اور دعا کا کبھی سنا تھا۔ گھبرا کر جاگ اٹھی اور محافظین جو
جو ایک مسلمان سپاہی تھا اس سے یہ خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی جس
نے کہا کہ تو ضرور قید ہو کر مسلمان ہو جائے گی۔ یہ تعبیر گو اس وقت اس کے دل
پر نہایت شاق اور غیر ممکن معلوم ہوئی تھی گو بوجہ اسی قبولیت ازلی اور تعبیر
رویا حق کی اب اس نے آخر میرے کہنے کو قبول کر لیا اور مسلمان ہونے اور کعبہ
سے شادی کرنے پر راضی ہو گئی۔ اتفاق حسنہ سے انہیں ایام میں رمضان

شرعیات آگیا۔ میں نے سسٹیسویں شب رمضان کو ایک بڑا دھوم دھام
 کا کھانا کر کے اس کو مسلمان بنایا اور جب ارکان اسلام اور نماز وغیرہ خوب
 سیکھ گئی تو حاکم وقت سے طے کر کے دایرہ اعلیٰ مستطیلہ کو اس سے
 نکاح کر لیا۔ مددنا آدی میرے نکاح میں شریک ہوئے تھے اور ہمارے
 مولانا مولوی احمد اللہ صاحب نے یہ نکاح پڑھا تھا۔ دوسرے دن بڑی محوم
 دھام سے اس کا ولیمہ ہوا۔ اس بیوی سے مجھ کو دس بچے پیدا ہوئے جن
 میں سے آٹھ بچے اس وقت تک زندہ موجود ہیں۔ اہد یہی بیوی پورٹ بلیر
 سے ہند کو میرے ساتھ آئی۔ اور یہ پچیس برس گزشتہ اس نے نہایت نفاقت
 اور راحت اور عصمت سے بسر کیے۔ اور توحید اور توکل میں بھی یہ بی بی ثباتی
 ہے۔ اہلیم زونزد۔

باب (۲۵)

دشمن چہ کند چہ مہر یاں باشد دوست

میں نے پورٹ بلیر میں پہنچ کر چند خطوط مشرا اپنے آرام سے رہتا ہوں
 شادی کرنے اور بطور آزاد کو کر کے دیکھنے کے حاجی محمد شفیع صاحب قادی
 کو وقت فوقتاً لکھے تھے اور ان لوگوں کو جو دوسرے بے قصور مسلمانوں کو پھنسا
 کر بطور نیم رہا شد کے دولت کی جوتیاں کھاتے پھرتے تھے۔ مسرت دلانے
 کے واسطے اپنی راحت اور تائیدت الہی کو خوب الفاظی مبالغہ میں بیان کیا تھا۔

لیکن کبھی کسی خط کا جواب میرے پاس نہیں آیا۔ مگر اس مابین میں مجھ کو یہ معلوم ہوا۔ کہ کسی نے وہ خطوط نظر انداز کر خیر خواہی سرکار میں پیش کر دیے اور گورنمنٹ ہند تک پہنچ کر ان پر بہت بحث ہوئی اور سپرنٹنڈنٹ پورٹ بلیر کے کیفیت بھی طلب کی گئی۔ اور قریب تھا کہ اگر فضل الہی میرے شامل حال نہ ہوتا اور حکام پورٹ بلیر میرے واسطے بطور وکیل نہ جھگڑتے اور ان ہریانوں اور رعایوں کا مجھ سے جھگڑنا لینا خلاف قاعدہ عام پورٹ بلیر کے نہ ہوتا تو میرے واسطے ہمیشہ سخت مشقت کرنے کا حکم ہو جاتا اور یہ بھی ایک شان الہی اور تائید غیبی تھی کہ جانی لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل مجھ جیسے غریب قیدی جس کے وارنٹ میں تاحیات سخت مشقت کرنے کا حکم ہو سخت مشقت گزارا چاہتے اور وہ رب العزت ایسے جھگڑوں پر بھی مجھ کو مشقت سے بچا لیتے ایک پیام بھی تائید الہی سے تھا کہ جب ہم پورٹ بلیر پہنچے اس وقت وہاں کے سب حاکم در اس احاطہ کے تھے بلحاظ عدالت اور دایوں سے کچھ بھی واقعہ نہ تھے اس سبب سے ان کے سینے بہت صاف از تعصب تھے انہوں نے ہمارے ساتھ کچھ تعصب نہیں کیا۔ بلکہ بوجہ خوش چلنی اور عمدہ کارگزاری کے سبب ہم تک سب قیدیوں سے زیادہ ہریانیاں اور رعایتیں ہمارے ساتھ ہوتی رہیں۔ لیکن جب اول بار ڈاکٹر ہنڈر صاحب نے نمک مرچ لگا کر ہمارے مقدمہ کو رائی سے پہاڑ اور رسی سے سانپ بنایا اور کھو دیا کہ وہائی اور باغی دونوں کے ایک ہی سنی ہیں۔ اور پھر بنگال گورنر کے صاحب لوگ اس جزیرے میں آنے لگے اس وقت تو ہم لوگ

ایک نشانہ ہو گئے راہ گلی چلتے میں ہماری طرف اشارے ہوا کرتے تھے اور بہت سے صاحب لوگ ہمیشہ اسی گھات میں رہتے کہ کوئی موقع اور قانونی حیلہ پا کر ہم کو تکلیف دیں۔ لیکن جب ایسا حافظ حقیقی کسی کی مخالفت کرے تو اس کو کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب ایک صاحب درپے تکلیف دینے ہمارے کے ہوا تو اس کے مفت بل دوسرا صاحب اس سے بھی بڑا ہماری مدد اعانت کو کھڑا ہو گیا۔

کریل میں صاحب کے عہد میں ایک بڑے پور میں افسر کی سحر یکے میرے اوپر ایک جھوٹا مقدمہ اعانت تصرف بے جا کا دائر کیا گیا اور کریل میں صاحب سارے تعصب حاکم مجھ سے ایسا برا فروختہ ہو گیا کہ مجھ کو فوراً بندوبست عدالت میں طلب کر لیا۔ اس وقت میرے بہت دوستوں نے مجھ کو یہ سلاح دی تھی کہ جان بچانے کے واسطے جھوٹ بولنا جائز ہے اس مقدمہ میں اپنی لاعلمی بیان کر کے اپنی جان بچاؤ۔ مگر میں نے کہا کہ جو کچھ ہو سہ ہو میں تو سچ بولوں گا۔ آخر جب مقدمہ پیش ہوا سب سے اول میں بلایا گیا اور کریل صاحب موصوف میرے سامنے ٹھہر گئے میں نے صبح ٹور پر حوت بحرف بیان کر دیا کہ میں نے سامنے صراط سید اور میر مدعا علیہ نے مسمی حمید خاں جمعدار مدعی کی جائداد جہاں جہاں پائی بطور خود ضبط کر کے آپ نیلام اور فروخت کر دی۔ اور اس کا ذمہ میں آپ کھا گیا میں بوجہ ہونے محرم اسٹیبلش کے ضرور اس کے ہمراہ تھا۔ میرا اس قدر بیانی ہونے پر صراط سید نے سب روپیہ حمید خاں مدعی کو دلایا۔ اور صراط سید کو مذکور جو

سورہ پیہ باہوار کا اور سپر تھا نوکری سے موقوف ہو کر ان جڈائز سے بدھ گیا گیا اور
میں اپنے سچ کی برکت سے صاف بری ہو کر اپنے گھر واپس چلا آیا۔

جنوری ۱۹۱۱ء میں ٹنٹنٹ پر تھرو صاحب جو اس وقت کرنیل اور
تادم مقام کشن پورٹ بلیر کے ہیں کاسے پانی میں اسٹنٹ ہو کر آئے پھر
۱۹۱۱ء میں ہماری بفر عید پڑی۔ ایک بیل مول سے کر اپنے دستوں کے موافق
نے قربانی کرنا چاہا تھا۔ مگر قربانی کرنے کے وقت ہندوؤں نے بلو کر کے وہ بیل
ہم سے بھین لینا چاہا۔ ہمارے ساتھ چند آدمی تھے ہم نے ان کا غیر واجبی جملہ
مجھ کر بیل نہیں دیا۔ ہندو حسب عادت غوہ لے کر جوش و خروش پر تھے۔
ہم نے صبح اسی وقت میں کہ جماعت ہندو بیل کی قربانی کے ساتھ ہماری قربانی
کرنے کو ہمارے سر پرست کھڑے تھے بیل کو قربانی کر دیا۔ ہم مسلمان فقط چار
پانچ آدمی تھے اور ہندو دو سو نفر سے بھی زیادہ تھے۔ پس ایسی تحلیل جماعت کو
بقابل ایسی کثیر اور پر جوش جماعت ہندو کے باندہ آنا ہی قرین مصلحت تھا مگر وہی
جوش اور واسے فرض نے ہم کو بھی اس فعل کے کرتے پر مجبور کر دیا جب ہندوؤں
کی آنکھ سامنے قربانی کا خون بہا تو اس پر بڑا بلوہ اور شہر و شہر محرقہ تھا کہ
دس دس بیس خوں ہو جاویں۔ مگر پولیس اور اور میسر کے جذبہ پہنچ جانے پر
نوبت کشت و خون کی نہ پہنچی۔

باب (۲۶)

ہندوؤں کی ناکام پوجا میں

لیکن مقدمہ کچھری میں چھنے لگا گوہندو بڑے مالدار صاحب اقتدار اور حکام کے منہ چٹھے تھے۔ مگر پراختہ و صاحب کی کوشش اور عا د سے ہم لوگ بچ گئے جیسے میرے خیالات اور سمجھ اس وقت ہے۔ اگر اس وقت بھی ایسے ہی ہوتے تو میں بجائے اس بیل کے بکرا قربانی کرتا اور صدیا آدمیوں کے دلوں کو نہ دکھاتا۔

مباشہ روپے آئندہ حسبِ خواہی کن
کہ درختر بیت یا غیر ازین گنا ہے نیت

اس وقوع قربانی کے بعد حسبِ عادت خود سب پورٹ بیئر کے ہندو متفق ہو گئے اور یہ صلاح ہوئی کہ چاہئے ہزاروں روپیہ خرچ ہو جاوے۔ مگر محمد جعفر کو سخت مزا کرائی جاوے۔ اس لیے منہ لگا لال ایک میرے ماتحت محو کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جس طرح ہومسکے حساب نقدی اسٹیشن میں تغیر و تبدل کلاس کے کوئی مقدمہ غنیم اور چوری اور پیر سرکاری کا محمد جعفر پر دائر کرایا جائے۔ اسی واسطے بے طمع میرے یہ سازش ایک ہندو ریٹر کے ایک حساب نیلام میں جو میری سرفت سے ہوا تھا قریب سوا روپیہ کے غنیم میرے اوپر قائم کر دیا اور قاضی اور انگریزی عدالتوں حسابوں سے

رقومات تصدیق کر اسکے بہت سے گواہ بھی تیار کر لیے گو صاحب فسخ تک درپردہ
 اس کی رپورٹ ہو گئی تھی مگر مجھ کو ابھی تک اس کارروائی کا کچھ علم نہ تھا۔ آخر ایک
 روز ایک بیک اور سیر نے میرے گھر پر آکر میری کل کتابیں حساب سرکاری کی
 قید کر لیں۔ اُس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے قتل کا سب سامان طیارہ سے
 دوسرے وطن اس کی دریافت و تحقیقات ہونے والی تھی۔ خیر میں نے اس
 کارروائی سے مطلع ہو کر اپنے رب سے دعا کی اور اُس سیر سے جس کے زیر
 حلاست میری کتابیں تھیں سزاؤں کر کے معنی طور پر ایک گھنٹے کے واسطے
 اپنی کتابوں میں واپس لے لیں اور اُسی ایک گھنٹے کے اندر وہ کل کارروائی
 جلسہ رسمی کی جو مہینوں میں تیار ہوئی تھی رفع و دفع کر کے میں نے اپنا حساب
 ٹھیک ٹھیک تیار کر کے گناہیں پھر اور سیر کے حوالے کر دیں۔ دوسرے دن
 باجلاس پراٹھو و صاحب بہادر تحقیقات شروع ہوئی جب حسب نشان وہی
 درعیان کتابوں میں میرا حساب دیکھا گیا تو سب ٹھیک تھا میری موافقت نہ
 نکلا اور چونکہ پراٹھو و صاحب نے مقدمہ قربانی سے چند روز پہلے سم کو بری
 کیا تھا اُس نے فوراً کہہ دیا کہ یہ مقدمہ محض دروغ اسی مقدمہ قربانی کی بدولت
 سے ہے۔ نوٹنگالال میرے ماتحت محروم کو چھ ماہ قید سخت کی سزا دے کہ
 اس ہندو ریسر کو ایک درجن بیت کی سزا دی اور مجھ کو بری کر دیا۔ ہندو تو
 مجھ پر ایسے غصہ ہو رہے تھے کہ انہوں نے کوہل میں کھڑے کھڑے ایک
 دوسرا الزام جدیدی مجھ پر قائم کر دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نوٹنگالال نے
 بعد پانے سزا کے اُتھ باندھ کر پراٹھو و صاحب سے عرض کیا کہ مجھ میری عرض

ہے۔ صاحب نے کہا کہ کیا ہے کہو۔ تب وہ بولا کہ حضور نے جو تحفہ ملے ہے
چرب سُرخ محمد جعفر کو واسطے بنوانے بازار کے دیے تھے۔ اُس نے
اُن تختوں سے اپنے گھر کے دروازے اور تخت پرش و صندوق بنوائے
اور بازار میں نہیں لگوائے۔ اگر حضور اسی وقت تکلیف کریں تو میں وہ سب
چیزیں محمد جعفر کے گھر سے کھڑے کھڑے چلا دوں۔ جب یہ بیان ہو رہا تھا۔ میں سر
نیچے کیے ہوئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ اس آفت سے بچاؤ بھی تیرا
ہی کام ہے۔ کیونکہ جن جن چیزوں کا اس نے نام لیا تھا وہ سب میرے
گھر میں موجود تھیں۔ اور اس وقت اگر حاکم مجھ سے سوال کرتا۔ تو میرے
یہاں میں میرے نزدیک سوائے ہاں کے کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن اس مقصد
الغلبہ کی قدرت کو سینے بعد غور سے سننے اس عرض اور دشمنی کے
پراثر و صاحب نے مونگلا لال سے کہا کہ وہ تحفہ ہم نے اس کو دیا ہے۔
تم کو اس میں مخبری کرنے کا کیا اختیار ہے۔ اسی دم اس کو عدالت سے
باہر نکال دیا۔ احمد مجھ سے فرمایا کہ تم گھر جاؤ اور ہوشیار رہو۔

۱۸۶۹ء میں ایک رات کو جب کہ میرے گھر میں قریب پانچ

سود پہرے کے سرکاری دوپہ تنخواہ قیدیال اسٹیشن بدو کا دکھا ہوا تھا میرے
گھر کی کھڑکی توڑ کر ایک چور میرے مکان میں اندر گھس آیا اور بتی کو جو میرے
پلنگ کے نزدیک جلتی تھی بجھا دیا۔ ایک چھوٹا سا صندوقچہ دوپہ سے
بھرا ہوا میری پائنتی کے پاس رکھا تھا، میں غافل سوتا تھا۔ میرا ایک نوکر
مراو نام دوسری کوٹھڑی میں تھا۔ اس وقت چور کو وہ صندوق اٹھا بھانے کو

کوئی چیز مانع نہ تھی بلکہ تقدیر الہی سے یک بیک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اندر میرا دیکھ کر اور کچھ آسٹ باکرا اپنے ڈاکٹر کو جڈا کر جو رخالی ہاتھ نامراد جو کراسی مہ بھال کیا اور اس رب العزت نے میری عزت رکھ لی۔ بشرط چوری ہو جانے اس سرکاری روپیہ کے بظاہر میری سخت خیالی اور بربادی تھی۔

مارچ سنہ ۱۸۸۷ء میں میں نے ایک صد سچاس روپیہ کی ایک ہنڈوی از طرف مسٹر روپ اسٹراپ صاحب کمر اسٹنٹ کمشنر بنام منشی غلام نبی صاحب خزانہ کلکتہ پر واسطے منگائے بعض ضروری سامان اپنی شادی کے بھیجا چلا تھا اور وہ مال بھی ایک دوسرے سو جاگر کے نام سے منگانا تجویز کیا تھا کیونکہ میں ملازم سرکار تھا۔ مجھ کو نہ ہنڈوی بھیجنے کا اختیار تھا اور نہ مال منگانے کا۔ یہ سب کارروائی کا جائز شخصی طور پر کی گئی تھی جب میں خط مسٹر وی ڈاک میں ٹالا تو ہندو میر سے دشمنوں کو بھی اس حال کی کسی ذریعہ سے خبر ہو گئی۔ انہوں نے کرنیل میں صاحب چیف کمشنر سے غبر کی ریک نوڈ اور ہنڈوی کو پکڑا دیا اور تجویز ہوئی کہ سوائے منبلی اس زرنڈوی کے مجھ کو نہ ملے گی ہوئی جب محمد کو اس گرفتار خجیٹ اور ہنڈوی کی اطلاع ہوئی تو جناب الہی میں التجا کر کے پراقتو صاحب سے جا کر سارا حال بیان کیا۔ اور وہی مقدمہ قربانی اس جلوت کا سبب بن گیا۔ پراقتو صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم کچھ فکر نہ کرو میں کرنیل میں صاحب سے ملاقات کر کے اس کا حل دریافت کروں گا۔ غرض پراقتو صاحب کرنیل صاحب موصوف کے سنگھ پر گئے اور اس سے ملاقات کر کے میری ہنڈوی اور خط دونوں واپس لے آئے اور مجھ کو لا کر لے دیا۔ اور فرمایا کہ ہندو تمہارے دشمن ہیں تم ہوشیاری سے کام کرو۔

باب (۲۷)

مولوی محمد حسین صاحب کے تشریف آوری

اگست ۱۸۷۸ء میں یہ عاجز پھر کچہری صاحب چیت کشتہ بہادر میں خبریہ بدوس سے صدر مقام خبریہ روس کو تبدیل ہو گیا۔ مئی ۱۸۷۸ء میں جب میں خبریہ روس میں تھا مولوی محمد حسین صاحب ہم لوگوں کی ملاقات کو پٹنہ سے پریس بلیر کو آئے۔ اور ایک ہفتہ تک ہر پھر اپنے ملک کو واپس تشریف لے گئے۔ ایک دن جب مولوی محمد حسین صاحب بڑے ذوق شوق کے کشتی میں سوار ہو کر خبریہ روس سے خبریہ ویر کو مولوی احمد اللہ صاحب کی تشریف آوری کے واسطے جا رہے تھے راستے میں وکشتی طوفان میں پڑی اور قریب تھی کہ ڈوب جاوے۔ اس وقت اپنے ڈوبنے سے زیادہ مولوی محمد حسین صاحب کو براغصوں تھا کہ مولوی احمد اللہ صاحب کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن یہ فقط آزمائش الہی تھی۔ چند عجزہ کون کے بعد طوفان رفع ہو گیا۔ اور مولوی صاحب موصوفت بخیریت تمام ویر پہنچ گئے اور مولوی احمد اللہ صاحب سے ملاقی ہوئے۔ ہماری گرفتاری کے بعد انگریزوں نے مولوی محمد حسین کو بھی چنسا کر کالے پانی بھیجنا چاہا تھا۔ مگر فضل الہی اور حکمت ربی سے وہ محفوظ رہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس طرح یہ بھی کالے پانی تک پہنچا کر اور بعض حساب بکری میں ڈال کر کالے پانی والوں کے اجڑیں شریک کر دیا۔ مارچ ۱۸۷۸ء میں کرنیل میں صاحب چیت کشتہ نشین پار ولایت کو

گئے اور اکثر مسئلہ میں جنرل اسٹوارٹ جہاں خیر میں جنگی لاٹ بند کئے ہو گئے تھے چھین کشتن ہو کر انڈمان تشریف لائے۔ اسی صاحب کے عہد میں حبیب ایما، لارڈ میو صاحب بہادر کے پورٹ بلیر میں بھنڈارہ کا کھانا قیدیوں کے واسطے منظر ہوا اور لارڈ میو صاحب کو بتایا ہوا وہ قانون بھی جاری ہوا جس سے پورٹ بلیر کی قید ہندوستان اور وائس کے جیلخانوں سے بھی زیادہ سخت ہو گئی۔

باب (۲۸) لارڈ میو گورنر جنرل کا قتل

۸ فروری ۱۸۷۲ء کو لارڈ میو صاحب کا قتل بھی اس سپرنٹنڈنٹ کے عہد میں ہوا جس کو بطور ہیری مختصر عیدہ نالو میں کرتا ہوں۔
لارڈ میو صاحب بہادر ۸ فروری ۱۸۷۲ء کو سات بجے کے بعد معہ پاراگنیوٹوں کے جزیرہ انڈمان میں رونق افروز ہوئے۔ صدر صاحب لوگا اور سیم واسطے سیر جہاز تھا کہ لارڈ میو صاحب کے ساتھ آٹھ بجے کے بعد گورنر صاحب مع چند سہرا میاں خود جہاز سے اٹکر جزیرہ روس میں جو صدر مقام پورٹ بلیر کا ہے شرف افروز ہوئے۔ ٹرٹرنے کے وقت لارڈ میو صاحب کے واسطے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی ہوئی اس وقت ہزاروں مرد و عورت آنا داند قیدی اس نظر کے واسطے گھارٹ جزیرہ روس پر حاضر تھے۔ لارڈ میو صاحب بہادر ٹاپو میں اترنے کے ساتھ ہی بانار روس ایجنڈ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکول و بانار و ہسپتال

وبارک اے قیدیاں وبارک اے جنگی پیشوں کا ملاحظہ کر کے چھپ کشتہ صاحب
 اندھان کے جنگ پر تشبیہ لے گئے اور وہاں ٹفن تناول فرما کر دھنستا آرام
 کر کے گورہ وبارک کا ملاحظہ کیا اور پھر اپنے اگنیوٹ کو دیکھتے ہوئے ویرا پائنت
 کو جہاں بدعاش قیدی جیل میں رہتے ہیں شرف افزا ہوئے اور بعد ملاحظہ
 ویر کے جزیرہ چائٹم کو واپس آئے۔ جزیرہ چائٹم مابین راہ جزیرہ روس
 اور جزیرہ ویر کے مونت ہریٹ پہاڑ کے قریب واقع ہے۔ چائٹم میں ایک
 دفانی آ رہ گھر ہے۔ یہاں ایک لال لکڑی کے تختہ کو لارڈ صاحب نے
 بہت پسند کیا۔ چائٹم میں پھرتے پھرتے ایک بیک لارڈ صاحب کے وہاں
 میں آیا کہ اسی وقت مونت ہریٹ پہاڑ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔ پراویٹ
 سیکرٹری اور چھپ کشتہ صاحب نے جو جہ غیر وقت ہو جانے کے اس دن
 مونت ہریٹ کو جانے سے بہت اصرار سے ان کو منع کیا لیکن لارڈ صاحب
 نے نہ مانا۔ یوں کہو کہ موت نے ان کو نہ ماننے دیا اور چائٹم سے سوار ہو کر موہڑا
 میں جزیرہ پائے کوہ مونت ہریٹ کے آباد ہے پیچھے۔ اس نا پو میں شہر علی
 نام ایک آفریدی قیدی دست و دانت ایک چھری واسطے قتل کرنے کوئی ڈنر
 اعلیٰ کے تیار کر کے منتظر بیٹھا تھا۔ جب لارڈ صاحب کی کشتی ہو پ۔ ٹوپ
 میں پہنچی۔۔۔۔۔ تو شہر علی مذکور اپنی چھری ہمراہ لے کر ان پہنچا۔ صاحب ٹوپ
 سے لارڈ صاحب کے ہمراہ تھا۔ مگر راستہ میں کہیں اس کا داؤ نہ چلا اور لارڈ صاحب
 بخیریت تمام پہاڑ پر پہنچ گئے۔ اب وقت غروب آفتاب کا آگیا تھا لارڈ
 صاحب نے وہاں بیٹھ کر سمند میں غروب آفتاب کا تماشا دیکھا اور

کہ ایسا خوب صورت نظارہ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی نہیں دیکھا۔ جب
 اندھیرا ہو گیا تو مشعلوں کی روشنی میں نیچے اُترنے لگے۔ اس وقت ایک
 مسلح جماعت پولیس لارڈ صاحب کے چاروں طرف تھی اور چیف کمشنر
 صاحب اور برائو میٹ سیکرٹری لارڈ صاحب کے دائیں بائیں بدلی سے
 بدلی ملائے ہوئے چلتے تھے اور دوسرے میسجیوں افسران کے پیچھے پیچھے
 تھے۔ اترائی میں بھی لارڈ صاحب بخیریت تمام ہوپ ٹون کے گھاٹ تک
 پہنچ گئے۔ مگر جب گھاٹ پر ایک گاڑی کے نزدیک جوہاں اُس دن
 کھڑی تھی پہنچے چیف کمشنر لارڈ صاحب کی اجازت لے کر کسی ضرورت کے
 واسطے پیچھے ہٹ گئے اور لارڈ صاحب معہ برائو میٹ سیکرٹری آہستہ
 آہستہ چلے جاتے تھے اُس وقت اس گاڑی کی آڑ میں ایک آدمی نے مثل
 شیر کی گود کر لارڈ صاحب کو دوزخم کاری ایک چٹھری سے ایسے لگائے کہ
 لارڈ صاحب سمندر میں جا پڑے۔ اس گڑبڑ میں شعلیں بھی سب گل
 ہو گئیں مگر ایک دوسرے قیدی نے جرات کر کے قاتل کو پکڑ لیا وہ وہاں
 دو چار کورماتا۔ لارڈ صاحب کو سمندر سے نکالا اور اسی گاڑی میں لے آیا وہ تو ایک دو
 بات کر کے رہی ٹاک بھا ہوئے۔ جب قاتل سے پوچھا کہ تم نے یہ کس واسطے
 کیا اُس نے کہا کہ میں نے خدا کے حکم سے کیا ہے۔ پھر پوچھا کہ تمہارا کوئی شریک
 ہے تو جواب دیا کہ خدا میرا شریک ہے بعد تحقیقات صابطہ منظوری ہائیکورٹ
 بمکال کے قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ یہ قاتل شیر علی نام ضلع پشاور کا پہلی
 افغان تھا۔ اُس نے کہا کہ سلسلہ سے میرا لہو تھا کہ کسی بڑے افسر انگریز کو

کو مار دیا گا۔ اس واسطے چند سال سے میں نے یہ چھڑا تیار کر کے رکھا تھا۔ جب ۸ فروری ۱۹۷۱ء کو لارڈ صاحب آئے اور ان کی سلامی ہوئی تو میں نے دوبارہ اس چھڑے کو تیز کیا۔ میں تمام دن اس تاک میں کہ میں کس طرح اس ٹاپو میں پہنچوں جہاں لارڈ صاحب پھرتے ہوئے مجھ کو ملیں۔ مگر مجھ کو وہاں جانے کی شخصیت نہ ملی۔ تقریر شام کے وقت جب میں یاہوس ہو گیا تھا لارڈ صاحب کو میرے گھر لے آئی۔ میں پہاڑ پر بھی لارڈ صاحب کے ساتھ گیا تھا اور ساتھ ہی واپس آیا مگر جانے اور آنے میں اور پہاڑ کے اوپر کہیں مجھ کو ایسا موقع نہیں ملا۔ تب میں اس گاڑی کی آڑ میں آکر چھپ رہا یہاں سے میری مزاد دلی پوری ہو گئی۔ شخص کو ضعیف الجھڑا اور پست قد بدو آدمی تھا۔ مگر بڑا شرور اور دلیر آدمی تھا۔ پھانسی پڑنے کے وقت تک وہ کچھ ہراساں نہیں ہوا۔ پھانسی کے اوپر چڑھ کر اس نے باواز بلند قیدروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بھائیو میں نے تمہارے دشمن مار ڈالا اور تم گواہ ہو کہ میں مسلمان ہوں اور پھر کلمہ پڑھنے لگا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے ہی اس کی جان جسم سے پرواز کر گئی۔

یہ وقوعہ قتل لارڈ صاحب کا ایک ایسے ادنیٰ قیدی کے ماتحت ہونا ایک نمونہ قدرت الہی کا تھا اور نہ کہاں گنگو تیلی اور کہاں راجہ بھوج جیب موت آئی تو صدقاً محافظ کرچوں والے اور وہ ان گنت سلج پولیس والے اور وہ بند و بست اور خبر واریاں کچھ کام نہ آئیں وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے کسی کو اس کی قدرت میں دخل نہیں۔ اس سے ایک ہمدینہ پہلے ایک

دوسرے پشاورمی افغانان نے چیف جسٹس نارمن صاحب کو اسی طرح گلگتہ میں پھرے سے مار ڈالا تھا۔ اب چاہیے تھا کہ بعد ایسے واقعات وحشت اور عبرت انگیز کے انگریز لوگ پٹھانوں کے دشمن ہو جاتے۔ مگر میں نے دیکھا کہ پہلے سے وہ چند پٹھانوں کی خاطر داری صاحب لوگ کرنے لگے۔ اور بجائے افغانوں کے بلذغیب وہابیوں کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ تو میں نے سمجھا کہ مارنے والے سے ہر کوئی ڈرتا ہے اور غریب پر ہر کوئی شیر ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب ہم کو اس وقت ہوا کہ جب بعد اس وقوعہ قتل لارڈ صاحب کے پلٹ صاحب کے کمشنر پولیس گلگتہ اور لالہ ایشری پر مشا د ہمارے پرانے دوست جو پہلے ہم غریبوں پر گپ ٹپ لگا کر سادھن سے ڈیلٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور چند دوسرے نامی نامی افسر پولیس ہند سے یہ بیڑہ اٹھا کر پورٹ بلیر میں پہنچے کہ ہم اس مقدمہ میں وہابیوں کو ضرور پھنسا دیں گے۔ مگر فضل الہی سے اس وقت پورٹ بلیر میں جنرل ہسٹوارٹ صاحب اور پرنسٹن صاحب وغیرہ ایسے ہوشیار اور بیدار منہز افسر ہمارے حالات اور چلن اور اس قتل کی کیفیت اور قاتل کے حالات سے بخوبی واقف موجود تھے۔ اس سبب سے اس مرتبہ ایشری پرزاد کا شمار خالی گیا۔ ورنہ اس نے پورٹ بلیر میں پہنچتے ہی مثل سابق جھوٹ گواہ بنانے شروع کر دیے تھے۔ مگر جنرل ہسٹوارٹ صاحب نے کہا کہ ہم ان وہابیوں سے بخوبی واقف ہیں اور ایسی ناجائزہ کارروائی جھوٹی شہادت تیار کرنے کی ہم اپنے علاقہ میں نہ ہونے دیں گے۔ اس سبب سے اس

رب العزت نے اس ناگہانی آفت سے بھی ہم کو محفوظ رکھا اور جو اصل مجرم تھا سزا پا گیا۔

باب (۲۹)

میں نے انگریزی سیکھ لی

پورٹ بلیئر میں پہنچ کر بھی تا وقت قتل لاٹھیو صاحب میں انگریزی سے واقف نہ تھا۔ سٹاٹسٹکس میں مام سرورپ نام ایک انگریزی خواں کی ترغیب سے ایک برس کی محنت میں مجھ کو انگریزی بولنے اور لکھنے پر توجہ میں خوب جہارت ہو گئی۔ چونکہ میں صاحب لوگوں کو اپنی فرصت کے اوقات میں فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ زبانیں سکھایا کرتا تھا۔ ان کے ساتھ ذات و نیا بت رہنے اور ان کے سبقوں کو انگریزی میں ترجمہ کر کے سمجھانے اور ان کے تحریری ترجموں کو صحیح کرنے کے سبب سے روز بروز میری استعداد انگریزی بڑھ چلی اور وہاں اس وقت تک بوجہ قلت کاجوئوں کے ملازمان سرکاری کو عراقی و اپیل نویسی کی بھی ممانعت نہ تھی۔ پھر میں نے عربی و اپیل بھی انگریزی زبان میں لکھنے شروع کر دیے تھے۔ جس میں سوائے ترقی استعداد علمی کے ہزاروں روپیہ کا فائدہ بھی مجھ کو ہوا۔ یہی دو پیشے یعنی عربی اور عراقی نویسی تھے۔ جس میں مجھ کو سو روپیہ ماہوار سے کم نہ ملتا تھا۔ چونکہ میرے سوا وہاں کوئی مسلمان انگریزی خواں

نہ تھا۔ میں نے بڑے بڑے اہم مقدمات اہل اسلام میں اُن کو ہمیشہ بڑی بڑی
 مدد دی اور بڑی بڑی آفتیں اور الزامات مسلمانوں پر سے اٹھا دیے اس علم کے
 ذریعہ سے میں نے لوگوں کو بہت بڑا کفّہ پہنچایا جس کو مدت تک اُن کے لوگ
 بھول نہ جاویں گے اور جن لوگوں کی پھانسیاں میری انگریزی دانی سے موقوف
 ہوئیں اور جان بچ گئی وہ تو تازلیت اس احسان کو فراموش نہ کریں گے۔ اور
 یہ بات بھی ایک بڑے تعجب کی ہے کہ جس دلی میری برائی حکم پہنچا کر مٹا دیا
 اُسی دن ملازمان سرکاری کو عرضیوں کا لکھنا بھی قطعی منع ہو گیا جس سے ظاہر
 ہوا کہ وہ اجازت بھی بفضل الہی سے مثل وہ مرے نمائے بلی میری ہی ذات
 کے واسطے تھی۔ اب اگر کوئی ملازم سرکار بھروسے سے بھی عرضی لکھ دیتے تو
 اُسی دن اپنے عہدے سے برخواست ہو جاوے۔ میں نے انگریزی سیکرٹری
 بڑے بڑے کتب خانوں کی سیر کی اور ہر علم و ہنر کی صدا کتابیں دیکھیں
 دنیا کی کوئی زبان ایسی نہ ہوگی جس کی صرف کچھ انگریزوں نے نہ لکھی ہو اور
 کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جس کی تاریخ نہایت شرح و بسط کے ساتھ
 انگریزی زبان میں موجود نہ ہو۔ انگریزی زبان علم اور فنون کا گھر ہے جو انگریزی
 نہیں جانتا وہ بلاشبہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں ہے اور
 بے انگریزی سیکھے پکا دنیا دار و طرار نہیں ہو سکتا اور نہ سوائے اس زبان کے
 آج کل کوئی آلہ تدبیر کا ہے مگر جس قدر یہ زبان دنیوی فوائد سے بھری ہوئی
 ہے اس سے زیادہ دین کے واسطے مضر بلکہ سم قاتل ہے۔ کوئی جوان لڑکا جس
 نے پہلے قرآن اور حدیث اور سلوک اور نبوت میں خوب مہارت اور مشق نہ

کرے ہو اگر اس زبان کو سیکھ کر میری طرح ہر قسم اور ہر علم کی کتابیں کا مطالعہ کرے گا۔ ضرور پرے سرے کا بے حد آزاد بدوین۔ بے ادب محمد ہو جائے گا بلکہ ایسا بے دین اور محمد ہو گا جس کا سفود نامہالی کیا بلکہ غیر ممکن ہے۔

باب (۳۰)

مغربی علوم کا ملحدانہ اثر

مگر فقط زبان انگریزی کا سیکھنا آنا مغرب نہ ہو گا۔ صرف کتب بعض علوم کی جو تعلیم انبیاء کے خلاف ہیں ایک ایسے شخص کو جو اصول مذہب اسلام سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ ضرور بدوین اور ملحد کو دینگی اور ایسے مشکوک اس کے دل میں پیدا ہوں گے کہ تاہرگ جن کا کھانا محالی ہے اور بوجہ اسی مرض یا موت قلب کے اداائے عبادت میں بھی بہت مست ہو جائے گا اور گونا گواہر میں وہ دعویٰ اسلام کا کرے۔ مگر فردا اسلام سے اس کا نام خارج ہو جائے گا۔ اب باوجود میری اس دینداری کے پہلے میرا ہی حال اسی کیجیے کہ اس علم کی بدولت محمد پر کیا کیا اثر ہوئے اسی علم کی بدولت میری ناز تہجد جس کا میں پچھن سے عادی تھا ایک ظلم چھوٹ گئی تھی۔ رات کو حسب عادت خود میں جاگ پڑتا تھا۔ مگر وہ بجے شب سے فجر تک چارپائی پر بیٹھا رہتا۔ ہرگز جہت نہ ہوتی کہ اٹھ کر وضو کروں یا ناز پڑھوں۔ نہ جمعہ میں نہ جماعت میں شامل ہوتا نہ قرآن حدیث پڑھنے

اہل سنت کو راغب ہوتا۔ ہر وقت انگریزی دیکھنے کو دل چاہتا کوئی گھڑی
 انگریزی کتاب پڑھنے سے خالی نہ رہتا۔ رمضان بھر میں چاہتا کہ تلاوت قرآن
 مجید کو بھول کر بیٹھنے کو بھی بیٹھتا مگر پڑھنا نہ جاتا۔ زبان پر نقل ہو جاتا جو
 دعا میں ہاتھ اٹھا کر گھنٹوں تک مانگا کرتا تھا اب اس خواب خرگوش میں
 یہ حالت ہو گئی تھی کہ ہاتھ اٹھا کر چار کلمہ بھی زبان سے ادا نہ ہوتے تھے ان
 ایام میں فقط فرض نماز پنجگانہ میں پڑھا کرتا تھا اور اس کا ادا کرنا بھی پہاڑ سے
 زیادہ سخت تھا اور قریب تھا کہ میں فرض نماز روزہ کو بھی حجاب دے دوں
 اور اس کے چھوڑ دینے اور عبث ہونے کے دلائل بھی شیطان مجھ کو تسلیم
 کیا کرتا تھا۔ قرآن مجید بقدر تین پارہ کے مجھ کو حفظ یاد تھا۔ اس میں سے
 فقط اخیر کی چند سورتیں یاد رہ گئی تھیں اور باقی سب بھول گیا تھا۔ حدیث
 حدیثیں بھی مجھے حفظ یاد تھیں وہ بھی گویا دل سے کسی نے دھوڑا لی تھیں۔
 روز بروز ان بڑے عقائد اور زشت اعمال سے دل پر زنگ جتنا چلا جاتا
 تھا اور یہاں تک میرا دل روٹی اور مرچیں ہو گیا تھا کہ اس پر ترے کی حالت
 تھی اور قریب تھا کہ دل مردہ ہو جاوے۔ اور یہ کہ اس حالت میں بھی
 شیطان ایسی ایسی وجوہات میرے دل پر نقش کیا کرتا تھا کہ میں اپنی اس
 حالت کو بھی سب سے بہتر جانتا اور سمجھتا تھا کہ فقط اقرار کلمہ لا اِلهَ اِلاَّ
 اللہ جنت میں جانے کو بس ہے۔ یہ تکالیف شرعی سب بے فائدہ
 ہیں۔ اور یہ بھی مجھ کو یاد ہے کہ گاہے گاہے انکار حق تعالیٰ جو شیطان کا
 اصل مطلب ہے وہ بھی مجھ کو القاء کیا کرتا تھا۔ اور جب کبھی میں محمد اور

دوسروں کے دلائل کو دیکھتا تو خواہ مخواہ دل ان کو قبول کرنا چاہتا۔ غرض مجھ میں اور
 کفر میں قطعاً چند انگشت کا فرق باقی تھا اور قریب تھا کہ میں اس میں گر جاؤں اور
 یہ کیفیت کوئی ایک دو دن نہیں رہی مگر بوجہ اعتبار ازلی یا نیک اعمال سابقہ
 کے میں اپنے کو ٹالک اور گمراہ سمجھ کر یہ دعا بھی اکثر مانگا کرتا تھا کہ اے اللہ وہ
 مجھ اندھے کا ہاتھ پکڑ۔ آخر غیبت الہی اور تربیتِ جاہلی نے پھر جوش مارا کہ
 دوسرے دن میں یہ خاکسار ایک بیک بعارضہ ایک سخت و نبل کے جو میری
 جانگھ پر نکلا تھا بیمار شدید ہوا جس سے کھانا نہ لینا سب چھوٹ گیا ڈیڑھ چھینے
 تک اس سے میری دل پیپ جاری رہی۔ پانچ ہفتہ تک میں ہسپتال پڑا رہا۔
 مرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا۔ دوست آشنا سب مایوس ہو گئے تھے اس
 حالتِ مرض میں یہ خاکسار بہت گرگڑایا اور اپنی گزشتہ حالت سے منفصل ہو کر
 پورا پورا تائب ہوا اور عہد کیا کہ اس مرض سے شفا پاتے ہی تہجد بھی شروع کر دے گا
 اور قرآن اور حدیث کا مطالعہ بھی کیا کرے گا۔ مجھ کو اس وقت آثارِ قبولیتِ عا
 کے محسوس ہو گئے اور اسی گھڑی سے دل کی حالت پلٹ گئی آثارِ رحمت اور تربیت
 وہی کے معلوم ہونے لگے بھولا ہوا قرآن اور حدیث اور ادعیات ماثورہ آپ سے
 آپ یاد دہننے لگ گئیں نہانا اور دعا میں لذت اور جلالت پانے لگا۔ تب
 میں سمجھا کہ یہ بیماری محض میری مصلح اور تربیت کے واسطے ہی تھی۔ ہسپتال
 سے واپس آکر میں نے پھر از سر نو حدیث اور تفسیر پڑھنا شروع کی اور تھوڑے
 ہی عرصہ میں میری حالت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔ پھر میں نے خیال کر کے دیکھا کہ
 جس قرآن و حدیث کے پڑھنے سے طبیعت گھبراتی تھی اور زبان پر نفل ہوجاتا تھا

اور ایک آیت پڑھنا بھی محال اور دشوار تھا وہاں میں دن جبریتہ کر پڑتا
ہوں اور اس کے پڑھنے سے طبیعت کو سرور و امداد دل کو لذت ہوتی ہے اور
وہاں جس کے واسطے اُتھا اُٹھا محال تھا اب گھنٹوں مانگنے سے بھی طبیعت
سیر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور اطاعت کی توفیق دینا بھی ایک
اُس کا فضل ہے جس کو چاہے ویسے اور جس کو چاہے نہ ویسے۔

باب (۳۱)

وہابیوں کے خلاف سرکار کا اعلان جنگ

جراگ گرفتاری و اُلبیان ۱۲۶۳ھ میں تھا نیر میں روشن ہوئی تھی اس
روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ خود ہمارے مسلمان اور مند و بھائی بھائی بھائی کے
اس میں تیس اور تارپین ڈال کر بڑھاتے گئے آخر کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے
تو ہزاروں من ولایتی بارہ دوا کر دین اُتیل اُس میں ڈال دیا اور ہماری سرکار
کو یہاں تک بیڑ لایا کہ صادق پور پٹنہ کے وہ مکانات جن میں قافلہ کے لوگ
ٹھہر کرتے تھے مہ مکانات سکتی ان فرضی باغیوں کے کھدا کر پھینکوا دیے
مگر اس پر بھی سرکار کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ ۱۲۶۴ھ کے اخیر تک پٹنہ اور نگال
میں سلسلہ گرفتاری بے گناہوں کو جاری رکھا۔ بے چارہ امیر خاں سوداگر چیم اور
مولوی تبارک علی وغیرہ بہت سے آدمی پٹنہ میں پکڑ لیے مولوی امیر الدین صاحب
کو پٹنہ میں جا کر پکڑا اور ایک بوڑھے اور ضعیف شخص امیر اہم منڈل کو اسلام پور

میں اور اپنے معمولی اور پڑتے پڑانے گواہوں سے جو چاہا گواہی دلو کر سجاد کو کالے پانی کو روانہ کیا اور میرزاں کی جائداد سے اپنا کل خرچہ پورا کر لیا اگرچہ اس امیر خاں کو باوجود دائم الجھمی کے چار برس بعد گورنمنٹ نے معیت کا احسان رکھ کر چھوڑ دیا اور جبہ جائداد منضبط سے واپس نہ دیا۔ اگر چار برس پہلے الزام سے بری ہو کر چھوٹ جاتا تو اپنی جائداد منضبط بھی سرکار سے واپس لے لیتا۔ اس تعصب اور معیت کے احسان کی طرف غور کر کے دیکھیے کہ اگر امیر خاں مذکور ایسا بھاری مجرم تھا جیسا کہ ملاحظہ مثل مقدمہ سے ثابت ہے تو ایسے بھاری مجرم کو چار برس بعد کیوں رہا کر دیا اور اگر وہ قصور وار نہیں تھا جیسا کہ اس کی جلدی رہائی سے ظاہر ہے تو کس واسطے اسے بھاری مستہام سے اس کو قید کر کے اس کی جائداد منضبط کی تھی۔ مارچ ۱۸۸۷ء میں مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب بھی ہمارے پاس کالے پانی میں پہنچے۔ مگر بوجہ اجا قانوں جدید سختی کے بے چاروں کو مدت تک سخت مشقت کٹنی پڑی لیکن بفضل الہی کچھ عرصہ کے بعد مولوی تبارک علی صاحب سٹیشن محرر اور مولوی امیر الدین صاحب معلم مدرسہ مقرر ہو گئے اور فقط دس برس قید کاٹنے کے بعد توجہ و فیض بخشی لارڈ رین صاحب بہادر ہمارے ہی ساتھ دہراہر کر اپنے اپنے گھر کو واپس آ گئے اور وہ ان کی سختی مشقت قید کی کمی ایام قید میں مجرا ہو کر ہمارے برابر ہو گئے جب دس برس تک بھی یہ سلسلہ گرفتاری و ابائیاں بند نہ ہوا تو میں اپنے بد اعمال کو یاد کر کے بہت کڑا کرتا تھا کہ یہ آگ تیرے گھر سے نکلی اور تیری بد اعمالیوں کے سبب سے دس برس سے تمام نہد

میں ہزار ہا علماء و شرفاء گرفتار پنجرہ مصیبت ہیں۔ اگر تجھ سا منحوس یہ بخت نہ پیدا ہوا ہوتا یا کچھن ہی میں مرجاتا تو یہ آفت اور مصیبت مسلمانوں پر نہ پڑتی۔ ۷

چواڑ قوے یکھے بے دانشی کرو

نہ کہ دامن ملت مانند نہ ۷

بارچ ۱۸۷۷ء میں اسی جہاز میں مولوی تبارک علی اور مولوی امیر الدین صاحب آئے تھے۔ میاں عبدالغفار کی بی بی اور ان کے دو لڑکے بھی بحکم سرکار کاسے پانی میں پہنچے۔ میاں عبدالغفار نے بندہ یوحنا چیت کمشنر فورٹ بلیر کے سرکار سے درخواست کی تھی کہ میری بیوی اور بچے ہند سے بلا دیے جائیں۔ خدا فریں جنگال گورنمنٹ پر کہ اس نے اپنے خرچ سے ایسے یاغی کے جورو اور بچوں کو کاسے پانی میں پہنچا دیا۔ سرکار کا یہ قصہ اور وہابیوں کو دیکھنا اور دس برس تک دریا برد کرتے رہنے سے یہ غرض تھی کہ وہابیوں کا قطع قمع ہند سے کیا جاوے۔ اور ان کا بیج نامن ہو جاوے۔ سو میں نے کاسے پانی سے واپس آکر اس کے برعکس دیکھا۔ میری موجودگی ہند کے وقت شاید پنجاب بھر میں دس و ہابی عقیدے کے مسلمان بھی موجود نہ تھے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے مسلمانوں کا کم سے کم چارم حصہ وہابی معتقد محمد اسماعیل کے نہ ہوں۔ یونانیو ماہ فرقہ ایسا بڑھ رہا ہے جیسے ایک وقت پرائسٹنٹ ایک بیک تمام یورپ میں بڑھ گئے تھے۔ اور کوئی مذہب اور سکھ کشی اور سولی اور پھانسی اور جلا وطنی اور آگ

زندوں کو جلا دینا اُن کی ترقی کو مانع نہ ہوا تھا بلکہ تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرقے کی ترقی کو مانع ہونا اور اس میں تشدد و کُرتا سب سے اچھی سبب اس کی ترقی و جلاء و جلال کا ہوتا ہے۔ دور کیوں جاؤ تھوڑے دن کی بات ہے کہ جب سکھوں کا فرقہ نکلا اور اُس کی ترقی شروع ہوئی تو مغلوں نے کس قدر اُس کے نیست و نابود کرنے کے علاج کیے مگر خدا کے بڑے اے کو کون روک سکتا ہے۔ آخر وہی سکھ ہیں جنہوں نے پٹ و رے دہلی تک مغلوں کی سلطنت پھین فی اور سویر میں تک بڑے جلال اور اقبال سے راج کیا اور ملک و کن میں نشستوں کا یہی حال سمجھو جننا رے کا اتنا بڑھتے ہی گئے۔ خداوند تعالیٰ کی حکمت بالآخر میں دست اندازی کرتا اپنے کو ہلاک کرنے کا سامان ہے۔

باب (۳۲)

اولاد

۱۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو میری بڑی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کے عقیقے کا کھانا بھی بڑی دھوم و دھام سے ہوا تھا اور مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب جن کو وہاں صرف پندرہ دن ہوئے تھے اس عقیقے میں شامل تھے۔ اس کے بعد میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی۔ اسے محبت کے اس کا نام میں نے اپنی ہندوستان کی لڑکی کے نام پر رکھا تھا۔ اس کے عقیقے کا کھانا بھی ویسا ہی دھوم و دھام سے۔ اس کے بعد پھر تیسرا بچہ محمد صادق ۲۶ نومبر

سلسلہ کو پیدا ہوا اس کا نام بھی میں نے اپنے ہندوستان کے لڑکے کے نام پر رکھا تھا۔ اس لڑکے کی پیدائش کے وقت ایک عجیب سا بار الہی جو غالباً میری نستی کے واسطے تھا ظاہر ہوا جس دن یہ لڑکا کالے پانی میں پیدا ہوا اسی دن بلکہ اسی وقت میرا بڑا لڑکا کا محمد صادق پانی پت میں فوت ہو گیا جب اس کی وفات کی خبر مجھ کو پہنچی میں نے اس کا نم البدل اس کے ہم نام اپنے پاس دیکھ کر صبر شکن کیا اور اس کی والدہ کو بھی اس کا نم البدل اور ہم نام مل جانے کی خبر لکھ بھیجی۔ جب میں نے انگریزی سیکھی تو ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب اور انڈین سائنس کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا بمشکل تمام مہارت روپہ قیمت کو گلہ سے ایک جلد طبیح دوم کی میں نے منگوائی اور اس کا مطالعہ کیا تو ایک مقام پر دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی لمبی چوڑی تہیدنا بندھ کر لکھا ہے کہ اگر بہ نظر ترجمہ خسرواں مرکار بھی ان روپوں کو کالے پانی سے نہائی بھی دیکھ تو یہ لوگ اپنی رٹائی کو من جانب البدل جلالتہ سمجھ کر منہ کو واپس آنے کے بعد بھی اعدیادہ موجب تخریب اور بربادی سلطنت انگریزی کے مونگے پہلے ہی سے سکر کا غصہ دیکھ کر نم رٹائی سے ناعد و حو بیٹھے تھے۔ یہ مضمون زہرا میز دیکھ کر رہی ہی امید مٹی جاتی رہی۔ اور اس کے بعد جب گورنمنٹ ہند نے قاعد رٹائی قیدیان و انکم ٹیکس بعد انقضائے بیس برس تاریخ قید سے جاری کیے تو اس میں بھی ہمارا مقدمہ رٹائی سے مستثنیٰ ہو گیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر ناامیدی اس وقت ہوئی تھی کہ جب سلسلہ میں خود ڈاکٹر ہنٹر صاحب مولف کتاب مذکورہ جزل بند سے صاحب مقرر ہو گئے۔ تب ہم نے جانا کہ جب کتاب

کو ایک دفعہ مطالعہ کر کے بڑے سے بڑا مانا انگریز ساری عمر کے واسطے ہمارا دشمن بنائی ہو جاتا ہے۔ تو اس کی موجودگی محکمہ گورنری میں رہائی کیلئے نہ معلوم ہم پر اثر کیا کرتا ہو گا۔

باب (۳۳)

رہائی کی امیدیں

لیکن بااثر جبر ۱۸۸۱ء سے یہ بات غیب سے دل میں طبع ہوتی تھی کہ ہم جلد رہا ہو کر ہند کو جانے والے ہیں۔ میں نے مولوی انوار الاسلام اور حافظ محمد اکبر پانی پتی کو خطوط بھی لکھ دیے تھے کہ میں جلد ہند کو آیا چاہتا ہوں۔

جون ۱۸۸۱ء میں یہ خاکسار منشی ضلع جنوبی پورٹ بلیر کا مقرر ہو کر پڑیا کو بدل گیا اور اپنے پرانے آقا اور شاگرد مسیح راہ تھر و صاحب ڈپٹی کمشنر کا میر منشی ہوا جہاں میں اپنی رہائی اور رہائی کی تار تار تک برابر اسی عہدہ پر رہا اس صاحب نے میری افانت سے پورٹ بلیر کی آئین کی کتاب بھی بنائی جو بعد منطوری گورنمنٹ سے مسترد بھی ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی خود میں نے ہی لکھا تھا اور وہ بھی چھپ چکا ہے۔ میری چودہ برس کی عہدہ کار گزار یوں اور جاں فانیوں پر نظر توجہ ہو کر اسی صاحب کی تحریک سے بڑی دھوم دھام سے ایک ایسی چوڑی گورنمنٹ ہند کو میری رہائی کی رپورٹ بھی ہوئی تھی۔ اس رپورٹ پر رہائی کیا ہوئی تھی۔ مگر سکرٹری ہوم ڈپٹی رٹنٹ اس قدر مارا مٹا ہوا کہ

کہ تاحیات میری رہائی غیر ممکن ہو گئی اور دوبارہ کسی افسر کو میری رہائی کی رپورٹ کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہا۔ مسئلہ کے اخیر میں مولوی عبدالفتاح صاحب پسر مولوی عبدالرحیم اپنے والد کی ملاقات کے واسطے پورٹ بلیر میں پہنچے اور کوئی ایک برس تک وہاں رہ کر پھر ملک ہند کو واپس چلے گئے، اس وقت مولوی عبدالرحیم صاحب نے ایک مسودہ عرضی اپنی خاص رہائی کے واسطے لکھا اور اپنے بیٹے کی معرفت سے ہند کو روانہ کیا تھا کہ جس سے وہاں ایک عرضی اس مسودہ کے موافق ان کی بیوی کی طرف سے تیار ہو کر بخیر گورنر جنرل ہندیا پر بل مشتمل میں پیش ہوئی جس میں یہ بیان تھا۔ کہ

میرے شوہر پر دردِ دل کچھ بھاری قصور ثابت نہ ہوا تھا، اس واسطے بروقت تجویز مقدمہ سشن جج اور نیز چیف کوڈٹ نے یہ ارشاد کیا تھا کہ بشرط نیک چلتی عید چودہ برس کے عبدالرحیم کے مقدمہ میں نگرانی کی جاوے گی۔ سواب تو اٹھارہ برس ہو گئے۔ میں نے اس کی جدائی میں بہت تکلیف اٹھائی اور وہ بھی بہت بوڑھا ہو گیا۔ مگر کاسب اس کو بعد ملاحظہ مثل کے ہائی سمجھے۔

بعد ملاحظہ اس عرضی کے لارڈ رین صاحب بہادر نے سوائے ملٹی مثل مقدمہ کے پنجاب اور بنگال گورنمنٹ سے رائے بھی طلب کی کہ اگر ان کامیوں کو رہائی دے جاوے تو کچھ قیامت تو نہیں ہے۔ بعد آنے آئے لوکل حکام کے مقدمہ منگد نام شروع سال آئندہ کے فتویٰ ہو گیا۔ چونکہ یہ عرضی مولوی عبدالرحیم صاحب کے واسطے تھی اور دراصل ان کا قصور بھی نہ تھا فقط عرضی منسودوں کی

اولاً تصور ہو کہ زبردستی قید کیے گئے تھے اس واسطے ہم لوگوں کو فقط اُن کی ذاتی
 کا انتظار تھا۔ اس ذریعہ سے اپنی رہائی کا تو مجھ کو گمان بھی نہ تھا ہمارے اخیر
 وقت میں سب بنگال کو رد کے صاحب لوگ پورٹ بلیر میں جمع ہو گئے تھے۔
 اس سبب سے اُن کو تعصب بھی ہم لوگوں سے زیادہ تھا۔ ۱۸۸۱ء میں وجہ
 پیری اور ضعف کے مولوی احمد الد صاحب جن کی عمر اس وقت اسی سال کے
 قریب تھی قابلِ ترجم و شمنان ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی یہ حالت زار دیکھ
 کر اپنے بیٹے مولوی محمد یقین صاحب سے جو کلکتہ میں مقیم تھے بلا کر ملاقات
 کر لی چاہی۔ حالانکہ بموجب قاعدہ عام پورٹ بلیر کے یہ ملاقات جائز اور درست
 تھی اور سینکڑوں بیٹے اپنے باپوں سے آکر مل گئے۔ مگر فقط اس سبب سے
 کہ احمد الد وہابی ہے۔ ان کی یہ درخواست نا منظور ہو گئی۔ اس مابین میں تھانا
 میں نے بھی ایک درخواست کی تھی کہ محمد شید میرے حقیقی برادر ناوہ کو میرے
 پاس پورٹ بلیر میں آنے کی اجازت بخشی جاوے۔ حالانکہ یہ درخواست بھی ملزم
 قابلِ منظوری کے تھی۔ مگر فقط اس سبب سے کہ مسائل وہابی ہے وہ بھی نا منظور
 ہو گئی۔

باب (۳۴)

حضرت مولانا اسماعیل صاحب کا انتقال

جب مولوی اسماعیل صاحب نہایت کمزور اور چار پنج مہرے ہو گئے تو مولوی

عبدالرحیم صاحب نسوان کی حالت اور کنز الہی بیان کر کے حکام کو لکھا کہ میں ان کا رشتہ دار قریب ہوں۔ ویسے میں کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے اس واسطے امید دار ہوں کہ ان کو ایسے میں میرے گھر پر رہنے کی اجازت بخشی جاوے۔ یہ درخواست بھی جس کے پڑھنے سے مستند کا دل نرم ہو جاوے فقط اس وجہ سے نامنظور کی گئی کہ اسماعیل اور عبدالرحیم دونوں واپسی ہیں ان کے ساتھ ایسی رعایت اور مہربانی نہیں ہو سکتی۔ جب مولوی صاحب موصوف کا حال نہایت تپلا ہوا اور صاحب لوگوں کے تعصب کا یہ حال تھا تو مولوی عبدالرحیم صاحب نے یہ اجازت چاہی کہ تھوڑی مدت کہ وہ پریس میں آئے پاس رہنے کی اجازت بخشی جائے۔ سو یہ درخواست اب بڑی دریافت و بحث کے منظر پر ہو کر مولوی عبدالرحیم صاحب کو ۲ نومبر کو شمار کے وقت ایک تحریری پاس ملا اور اسی رات کو واقعہ ۳۱ نومبر ۱۹۵۷ء مطابق ۲۸ محرم ۱۳۷۷ء شب دوشنبہ کو بوقت ایک بجے رات کے مولوی صاحب موصوف کی روح اس جہیم قید و رقید کو چھوڑ کر فردوس بریں کو پرواز کر گئی۔ مولوی صاحب کی وفات کے وقت عبدالواحد نام ایک ملازم مولوی صاحب موصوف کا ان کے پاس ہسپتال میں حاضر تھا۔ ان کے وقت مولوی صاحب جو پہلے چند روز سے عالم بے ہوشی میں تھے، ان کو کھول کر الہ اللہ مالک الملک آخری کفر فرمایا اور مرد ہو گئے۔ ۲۱ تاریخ کو بوقت آٹھ بجے فجر کے بمقام امیر دین ہم لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ہم سب آدمی جمع بہت سے دوستوں کے فوجے فجر کے ویسے میں پہنچ گئے۔ میں کچھری ضلع میں منشی تھا اور بلا اجازت صاحب ضلع کے جانیں سختی تھا اور بوجہ تعصب حکام

اجازت مل حال تھا اور مجھ کو ان کی تہنیز و تکفین میں شامل ہونا ضرور ہوا اس واسطے میں بہ توکل مولا بلا اجازت و سپر چلا گیا۔ اور ایک عربی طبعی بیجی کہ میں احمد اللہ صاحب کی تہنیز و تکفین میں شامل ہونے کو سپر جاتا ہوں۔ آج کی میری غیر حاضری معاف فرمائی جاوے۔ ہم نے دیر پہنچ کر آخری درخواست حکام انگریزی سے یہ بھی کر دیکھی کہ ہم کو اجازت بخشیں کہ مولوی، حمزہ صاحب کی لاش کو ابراہین میں لے جا کر ان کے آگے بھائی مولوی بھائی علی صاحب کی قبر کے متصل دفن کر دیں۔ یہ درخواست بھی نامنتظر ہو گئی تو لاچار بعد غسل و نماز کے ان کی لاش کو لے جا کر گور غریباں واقعہ ڈنڈ اس مینٹ میں جو و سپر سے تھوڑی دور ہے دفن کر دیا۔

اپنے نسبت سالہ تجربات میں میں نے یہ بھی کر دیکھا کہ جب کبھی کسی امیر یا حاکم کی مدد پر میں نے بھروسہ کیا اور خدا کی طرف توجہ نہ رکھی تو میرے دہانے اسی خیالی معاون کے ہاتھ سے مجھ کو اینڈ اینچوانے کا ندوبست کر دیا۔ مگر جب میں نے اس خیالی سے نائب ہو کر اس فاقہ وحدۃ لائیک کی طرف رجوع کیا تو پھر اس غالب زبردست حکمت والے نے میری مدد کی اور آفت سے نجات بخشی اور جو لوگ پہلے سے میرے دشمن تھے اہدجن سے میں ڈرتا تھا ان کو میری مدد اور پشت پناہ پر کھڑا کر دیا۔ خداوند تعالیٰ کو کسی طرح بھی منظور نہیں ہے کہ میں اس کی طرف سے توجہ بھرا کر غیر اللہ کی طرف رجوع کروں۔ وہ رب العزت ہمیشہ مجھ کو بار بار کلام تنبیہ کر کے شکر سے بچا کر اپنی طرف رجوع کرتا رہا ہے۔

ستمبر ۱۸۵۷ء میں لاچار ہو کر میری ہندوستان کی بیوی نے پانی پت سے

مجھ کو لکھا کہ میری بڑی لڑکی جوان ہو گئی۔ تمہاری رہائی کی امید پر آج تک اس کی شادی کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب بظاہر کوئی شکل تمہاری رہائی کی ایسی جلدی نہیں ہے۔ اس واسطے اگر اجازت دو تو کسی جگہ اس کی شادی کا بندوبست کیا جاوے اور اس کا رنجیر کے واسطے کچھ خرچہ مزدوری بھی بھیج دو۔ میں نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو گویا تاریخ حکم رہائی سے اڑھائی ماہ پہلے بعد تین سو روپے کے نقد اور زیورہ دیا چھ پانی پت کو بھیج دیا۔ اور اپنی بیوی کو لکھا کہ تم کسی وین ۱۴ مسلمان سے اس لڑکی کی شادی کرو۔

باب (۳۳)

فرمانِ رہائی

جب میرا بھیجا ہوا اسباب اور خط پانی پت میں پہنچا تو بوجہ میرے نہ شامل ہونے کے اس شادی میں بیکارئے خوشی کے غم ان لوگوں کو ہو گیا اور میری بیوی اور لڑکی دو رو کر یہ دعائیں کرتی تھیں کہ اسے قاعدہ کریم اس کو بھی اس شادی میں شریک کر بظاہر کوئی سامان میری رہائی کا اس وقت نہ تھا۔ مگر اس حجابِ الدعوات نے وہ فریاد ان کی اسی دم قبول کر لی۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بلا غرضی اور زخوت اور بلا سنی سفارش میری رہائی ہو کر مجھ سے پہلے پانی پت میں میری بیوی کو اطلاع ہو گئی۔ اب جو میری رہائی کا نادر قریب آیا تو میں ہر اگنبوٹ میں اپنی رہائی کا منتظر رہتا تھا اور اس ملک کے تحفے مخالفت جمع کر کے چلے کو تیار بیٹھا۔

گو بہت سے لوگ جو میرے مقدمہ اور جواب حکمہ گورنری سے واقف تھے میری اس تیاری کو دیکھ کر مجھ پر ہنستے تھے۔ آخر ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء روزہ شنبہ کو ہمارا فی نام اگنیوٹ پر حکم لے کر پہنچا کہ جس قدر آجی بھڑم بغاوت و نا امانی کیس میں قید میں سب ایک قلم رٹا کر کے ہندکو روانہ کر دیے جاویں۔ ان کی کوکل گورنمنٹ ان کی سکونت کے واسطے بند و بست معقول کرے گی۔ جب حکم وٹاں پہنچا تو میں اور مولوی عبدالرحیم صاحب دیاں عبدالغفار و مولوی تبارک علی و مولوی امیر الدین اور میاں مسود کل ۱۰ نفر اس مقدمہ کے وٹاں موجود تھے سو سب کی رٹائی ہو گئی۔ جب یہ حکم بندیر اخباروں کے ہند میں شہور ہوا تو بوجہ حیت اسلامی جملہ انجمن و مجلس ہائے اسلام نے اس ترجم خسروانہ لارڈرپن صاحب ہا ہندو بیچے مسوریل کے ان کا مشکہ یہ ادا کیا۔ جیسے ہماری گرفتاری پر گھر گھر تمام ہند میں داویلا مچ گیا تھا۔ ویسے ہی گھر گھر خوشی اور مشکہ یہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں اور لارڈرپن صاحب کی مداحی اور مشکہ گزاری سے ہماری زبان اور کلم بھی فام نہ ہو گئی جس کی اولوالعزم اور ترجمانہ پالیسی سے ہم کو ہند کا دیکھنا پھر نصیب ہوا۔ اسی عرصہ میں میرے ایک پڑا نے شاگرد کپتانی ٹیکسل صاحب نے جو بروقت میری رٹائی کے خاص کیپ انبار میں جیسٹریٹ تھے میری رٹائی کی خبر پا کر مجھ کو کھٹا کہ اگر تم میرے پاس رہنا قبول کرو تو میں گورنمنٹ سے اجازت لے کر تم کو اپنے پاس بلاؤں۔ میں نے اس پیام کو تا یہ شیخی سمجھ کر قہراً قبول کر لیا۔ تب انہوں نے گورنمنٹ پنجاب سے اجازت حاصل کر کے اور خود میرے خاص ہو کر کل شرائط گزرائی وغیرہ میرے اوپر سے اٹھوا دیں۔ جب میری رٹائی

کا حکم پورٹ بلیر میں آیا تو میری بیوی خود دایم ایجنس تھی اور اس وقت اس کو فقط چودہ برس قید میں ہوئے تھے اس واسطے اسی ایجنٹ میں گورنمنٹ کو اطلاع دی گئی کہ جیٹنک محمد جعفر کی بیوی رانا نہ ہوگی وہ ہندو نہیں جاسکتا اور اپنی بیوی کا حکم پاکرا اسی وقت میں نے بھی گورنمنٹ پنجاب کو لکھا کہ یہاں نہایت عمدہ میرا گھر موجود ہے اور میں سو روپیہ ماہوار کا نوکر ہوں اور ہند میں نہ میرا گھر ہے اور نہ مکان اور غالباً حکام پنجاب میرے دانا آنے پر مجھ سے تاحق چھوڑ چکا ہو گیا کریں گے اور مجھ کو قیدی مبالغہ سمجھ کر کوئی نوکری وغیرہ بھی نہ دیوں گے اس واسطے میں اسید وار ہوں کہ وقتاً فوقتاً ہند میں جا کر اپنے بال بچوں کو دیکھ آیا کروں گا۔ گرجیت کشن صاحب پورٹ بلیر نے بعد اظہار میری نیک چلتی اور عمدہ کارگزاری کے پھر سفارش بھی کی تھی کہ محمد جعفر کے واسطے کسی خاص طور پر مرا سے اعلانہ مقرر کیا جاوے تب ملک ہند میں اس کی گزران ہو سکتی ہے۔ لیکن گورنمنٹ پنجاب نے میری اس درخواست کو نامنظور کر کے جزاً مجھ کو اور میرے بال بچوں کو ہند میں بلایا مگر یہ وعدہ کیا کہ یہاں پنجاب میں اس کو نوکری مل سکتی ہے۔

۳ مارچ ۱۸۸۳ء کو مولوی عبدالرحیم ومیاں عبدالغفار ومولوی امیر الدین صاحب وتبارک علی مداتہ ہند ہو گئے اور بغیر مریت تمام اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ اس کے بعد ۲ اپریل ۱۸۸۳ء کو میاں سعید بھی چلے گئے فقط میں اکیلا باقی تھا۔ حکم رٹائی اپنی بیوی کے رہ گیا۔ یکم مئی ۱۸۸۳ء کو میری بیوی کی مائی بھی آگئی۔ مگر اس وقت میری بیوی کو چھو بیٹنے کا حمل تھا اور ہند میں موسم طوفان کا شروع ہو گیا تھا اس واسطے میں نے تانا و نومبر ۱۸۸۳ء مطابق محرم ۱۳۰۴ء

پورٹ بلیر میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس مہلت میں میں نے اپنے گھر کا حساب فروخت کرنا شروع کیا اور اسے پونے پچیسے ہوا بیچ ڈالا۔ اکثر برس ۱۲۵۷ء میں میں نے چاہا کہ میرا گھر چربی جس میں میں رہتا تھا مسجد کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا جائے اور سب مسلمان جو بغیر مسجد کے تکلیف اٹھاتے تھے اس وقف سے بہت خوش ہوئے۔ مگر یہ سچ سچ صاحبِ ڈپٹی کمشنر نے انرا تعصب کے یہ پورٹ کر دی کہ یہ شخص واپسی ہے اور یہ مسجد بھی واپسوں کے قبضہ میں رہے گی۔ اس واسطے یہاں مسجد بنانے کی اجازت زوری جاوے۔ پس وہی تعصب واپسیت کا اس کار کو بھی مانع ہوا۔

باب (۳۶)

پورٹ بلیر پر اسٹریٹس

جیسا کہ میں اپنے پورٹ بلیر میں داخل ہونے کا ذکر کر کے بعد میں حالت متعلقہ جغرافیہ و قدیم بارشندگان بیان کیے ہیں۔ اس مقام پر اپنے پورٹ بلیر کے روانہ ہونے کے ذکر کے پہلے قوانین و اہلکار ساکنان پورٹ بلیر کو ذکر کر کے اس جزیرے سے کوچ کروں۔ یہ جزیرہ مثل دوسرے احوال کے ایک مستقل لوکل گورنمنٹی ہے۔ صاحبِ چیف کمشنر انڈیا کو اختیار ہے کہ جو ایکٹ چاہیں یہاں جاری کریں اور جس حاکم و تخت کو چاہیں اختیار دیوانی یا نوچلری کے علما کریں یہاں کا چیف کمشنر اس قسم کا مشن سچ بھی

ہے۔ یہاں کے چیف کمشنر کا حکم ناطق ہے۔ اس کا کچھ اپیل نہیں ہو سکتی صرف
 مقدمات پچانسی میں گورنر جنرل جب اس کونسل کی منظوری لی جاتی ہے باقی
 اور سب امور دیوانی اور توجہ داری میں یہاں کا چیف کمشنر ذاتی گورنر بھی ہے یہاں
 کوئی جہاز یا مسافر یا کوئی مال وہ سب بظاہر بلا اجازت صاحب موصوف کے اس
 ظاہر سے جاسکتا ہے۔ یہاں کا چیف کمشنر صدر مقام ہوس میں رہتا ہے۔
 اس کی تنخواہ میں ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ یہ قسمت دو ضلعوں میں تقسیم ہے۔
 ایک ضلع خجندی میں جس کا صدر مقام ابرٹین ہے۔ دوسرا شمالی جس کا صدر
 مقام جام ہے۔ دونوں صاحب ضلعوں کے ماتحت بہت سے اسٹنٹ
 اور اکثر اسٹنٹ کمشنر کام کرتے ہیں۔ اس اسٹنٹ کے ہوتور لعل
 اور قاعدہ بتدارت ہے اب تک ذرا قوت بہت بدلتے رہے ہیں انکو
 ہمیشہ بدلتی وجہ میں اہر کر آمد بکل مزید پر یہاں خوب عمل ہوتا ہے۔
 یہاں قریب دو ہزار قیدی کے سالانہ ہند سے نئے قید ہو کر آتے ہیں اور اس
 وقت قریب چودہ ہزار قیدی کے یہاں موجود ہیں۔ جہان سے اترنے کے بعد
 ایک ہفتہ بعد ان کی ریڑی گٹ جاتی ہے۔ یہاں کوئی جیل نہیں ہے۔
 بارکوں میں یہ قیدی ماتحت قیدی افسروں کے رہتے ہیں۔ دن میں مشل
 جیل ہائے ہند قیدی سخت مشقت کرتے ہیں۔ دو وقت ان کو نچتہ کھاتا
 ہے۔ رات کو انہیں بارکوں میں سو رہتے ہیں۔ ان بارکوں کی حفاظت پر سوار
 قیدی افسروں کے اور کوئی پولیس یا جنگی بلٹن نہیں ہے۔ غرض قیدیوں کی
 حفاظت اہل نگرانی اور ان کو کام پر تقسیم کرنا اور ان سے کام کروانا یہ سب

پرانے قیدی افسروں کے سپرد ہے جو سر پر لال و ویش اور گلے میں چڑھ کر رہتے ہیں اور حسب مدارج اپنے عہدوں کے سوا خود لاک کی لکھتیا بھی سرکار سے پاتے ہیں۔ ان نئے قیدیوں کو بھی بشرط نیک چلتی تین جلد برس کے بعد کسی قدر نقد تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے اور بعد تنخواہ پانے کے یہ نئے قیدی بھی پٹے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ دس برس نیک چلتی رہنے کے بعد ہر ایک مرد قیدی مستحق ٹکٹ پانے کا ہو جاتا ہے اور ٹکٹ یہ ہے کہ قیدی آزاد ہو کر بارگ سے نکل جاتا ہے۔ اور شہر اور بستیوں میں رہ کر جو چاہے پیشہ کرے اور کھاوے کماوے۔ قریب پچاس ساٹھ کے قیدیوں کی بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبر دار اور چوکیدار و ڈواری ہیں۔ حلوگ بھینتی کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں ان کو گاؤں میں نو توڑ زمین بقدر حوصلہ کے مفت سرکار مل جاتی ہے اور تین برس تک محصول معاف رہتا ہے اور کبھی کبھی کچھ تعادی اور بیل اور خود لاک سے بھی سرکار مدد دیتی ہے۔ جو حلائی یا نانائی یا نانائی وغیرہ پیشوں کے ٹکٹ لیتے ہیں ان کو بھی کبھی کبھی کچھ مدد ملتی ہے۔ اس ٹکٹ پانے کے بعد قیدی آزاد ہو جاتا ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ جو عورتیں قید ہو کر آتی ہیں وہ ایک علیحدہ جہیز میں ماتحت قیدی عورات افسروں کے بارگ میں رہتی ہیں۔ جنی المقدور جب تک وے بارگ میں رہتی ہیں زنا کاری کی پوری پوری روک رہتی ہے۔ عورتوں کو بھی اپنی بارگ کے اندر پائی سلائی وغیرہ کی مشقی کرنی ہوتی ہے۔ عورتوں کو پانچ برس کے بعد ٹکٹ آزاد کی کامل جاتا ہے لیکن جو ان عورتیں

جب تک شادی نہ کر لیوں ٹکٹ پا کر اپنی بارگ سے باہر نہیں جانے پائیں
 بعد اقصائے پانچ برس مدت قید کے عورت کو اختیار ہے جس مرد سے
 چاہے شادی کر لیوے۔ مردوں میں سوائے ٹکٹ والوں کے مشقتی
 بارگ یا مثل قیدی شادی نہیں کر سکتے۔ جس مرد کو شادی کرنا منظور ہوتا ہے
 وہ عورتوں کے ٹاپو میں جا کر کسی عورت کو پسند کر کے کچھ امان دے دلا
 کر راضی کر لیتا ہے اور جب میاں بیوی راضی ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کو
 ایک اقرار نامہ اپنی رہنمائی اور محبت و موافقت سے مل کر رہنے کا
 رو بروئے صاحب کمشنر بہادر کے کھد دینا پڑتا ہے اس کے بعد بیوی میاں
 کے گھر چلی آتی ہے۔ ٹکٹ والے قیدی ملک سے اپنے بال بچوں کو بھی
 بلا سکتے ہیں۔ جب کوئی قیدی بیس برس تک نیک چلن رہے تو پھر
 اس کی رہائی بھی ہو جاتی ہے اور اس کو بعد رہائی کے اختیار ہے چاہے
 اس ملک میں رہے چاہے اپنے وطن اور زاد و بوم کو چلا آوے۔ بعد
 ٹکٹ پانے کے قیدیوں کو اختیار ہے کہ اپنی کمائی حلال سے چاہیں لاکھوں
 روپیہ جمع کر لیوں۔ مگر ٹکٹ سے پہلے بلا طلاع و اجازت حکام و نہ کچھ
 اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کے پاس جمع کر سکتا ہے۔
 قیدی جب تک بارگ میں رہ کر مشقت کرتے ہیں ایک برس یا تین مہینے
 میں ایک خط اپنے گھر کو بھیج سکتے ہیں اور ایک خط آمدہ ہند پاسکتے ہیں۔
 مگر ٹکٹ والے ہر مہینے میں ایک خط بھیج سکتے ہیں۔

پورٹ بلیر ایک ایسی جگہ ہے جہاں جینا، رہنا، ملائی، سنگلی، جنگلی، کھواری

کثیر سی پشتونی۔ ایرانی۔ کرائی۔ عربی۔ حبشی۔ پارسی۔ پرتگیزی۔ امریکی۔ انگریزی۔
فرنجی وغیرہ اور ہندوستان کے سب ضلعوں اور شہروں کے آدمی شمل بھوٹیا
نیپالی۔ پنجابی۔ سندھی۔ گجراتی۔ دیس والے۔ ہندوستانی۔ اہل برج۔
آسامی۔ تہلی۔ بند۔ بلکھنڈی۔ اوڑیا۔ تلنگی۔ مرچٹے۔ کرناٹکی۔ مدھاسی۔ ملیالم
گوڈ۔ بھیل۔ بنگالی۔ گول۔ سنٹھال وغیرہ سب موجود ہیں۔ جب یہ لوگ
آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ مگر
بازار اور کچھروں کی زبان یہاں بھی ہندوستانی ہے۔ ہر ملک کا آدمی یہاں
آکر آپ سے آپ ہندوستانی زبان سیکھ لیتا ہے کیونکہ یہاں اس زبان
جاننے کے یہاں آدمی کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں پودہ زمین پر
کوئی دوسرا مقام ایسی مختلف قوموں سے آباد نہ ہو گا۔ قریب چالیس مختلف
قوموں کے جو ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھ سکیں یہاں موجود ہیں۔ شان الہی
سے یہاں ایک ایسا میلہ جمع ہوا ہے۔ شاید آج تک پودہ زمین پر ایسا مجمع
کوہیں نہ جمع ہوا ہو گا۔ جب کوئی بنگالی مرد اور مدھاسی عورت یا بھوٹیا مرد اور
پنجابی عورت و علیٰ ہذا القیاس آپس میں شادی کرتے ہیں اور میاں بیوی کی
اور بیوی میاں کی بات نہیں سمجھتے اور بروقت ٹکرا اور لڑائی باہمی کے
دونوں اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اور فرق ثانی کچھ
نہیں سمجھتا تو عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ یہاں جب کسی قریب شادی پر
دعوت اور نیوٹہ ہو کر ملک ملک کی عورتیں جمع ہو کر اپنی اپنی بولی میں گاتی
اور اپنی وضع پر ناچتی کودتی اور اپنے اپنے ملک کا لباس پہنتی ہیں تو وہ تماشا

بھی قابل دید ہے۔

یہاں قوم کی پابندی جو ہندوستان کی چٹانی بیماری ہے ایک تلم
 ترک بنوئے مسلمان مرد و خا کسی ذات کا ہو مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک
 شادی لے لیتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہندو ہونا کافی کافی ہے ایک
 ذات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ برہمنوں کے گھروں میں پسنیس پور جاؤں
 کے گھروں میں برہمنیاں موجود ہیں۔ یہاں ٹھگ وہ ٹھگ ہیں کہ دل کو ٹھگ
 لیویں اور چور وہ چور ہیں کہ آنکھوں کا کاجل چڑا لیں۔ یہاں شعبہ بار بار میکہ
 بہرو پیسے پھنڈیلے۔ نقال۔ جیجرٹے۔ غلط۔ طوائف۔ میرا سی۔ گوئیے۔
 قوال اور ہر فن کے نیک و بد حاش سب موجود ہیں۔ یہاں اچھے اور بُرے
 کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپا مولوی اور پنڈت اور درویش و بھائی جی وغیرہ
 سے خالی نہیں ہے۔ یہاں مدرسی اور ننگالی سوکھی مچھلی بھی بڑے بڑے سے
 کھاتے ہیں۔ اس سوکھی مچھلی کو جس میں مٹے مٹے چرے کی سی بو ہوتی ہے
 عمدہ عمدہ گوشت پر یہ لوگ سبقت دیتے ہیں۔ برہما اور چنیا پتی بھی کھاتے
 ہیں۔ پچھلیوں کو پیپوں میں بھر کر سڑانے سے جب ان میں کیڑے پڑ جاتے
 ہیں تو ان کیڑوں اور مڑی پچھلیوں کو کوٹ کر بنتی بنتی ہے اور اس میں
 ایسی بدبو ہوتی ہے کہ ہم لوگ جوا کے سُرخ ایک میل تک جی اس کی بدبو
 سہار نہیں سکتے۔ مگر برہما اور چنیا اس کو بھانجے گرم مصالح کے ہر عمدہ کھانے
 پر بڑا بُرا کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ جب ان کو پنی مل گئی تو گویا دنیا
 کی نعمت مل گئی۔ یہاں کسی طوائف یا کسی کی عام دکان نہیں ہے۔ مگر اگر

عورتیں ایسی بے حیا اور فاحشہ ہیں کہ کبھیوں کو ان سے شرم آتی ہے ۔

بعد تجربہ کے مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنی اپنی وضع اور بولی اور لباس و خرداک ہر کسی کو پسند ہے ۔ جنگلی اپنے جنگل میں رہتے اور تنگ ڈہرنگ پہرتے اور کٹھے کھڑے کھانے کو ہماری قبا اور دو شالوں اور پلاؤ اور تلیہ پر بوقت دیتے ہیں ۔ ہمارے کھانوں سے ان کو حق لگتی ہے ہمارے کپڑے پہنتے ہیں ان کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے ہم کو ننگا رہنے سے ۔ برہما چھینا ہمارے گھی کے پکو ان کو دیکھ کر اپنی ناک بند کر لیتے ہیں ۔ ہمارے قلیے اور قورمے اور پلاؤ کے بھنگا ر سے عربوں کا دل مرغ پر لگتا ہو جاتا ہے ۔ انگریز لوگ ہمارے عطر کو نہیں سونگھ سکتے ۔ غرض سچپن سے زبان اور ناک جس چیز کا حاجی ہو گیا ہے وہی اس کو پسند ہے ۔

باب (۳۷)

سوادِ ہند کو روانگی

جب میں ۹ ماہ نومبر ۱۸۵۳ء کو سوار ہونے کو تھا تو اس وقت میں نے ایک غام و دعوتِ کبر کے اپنے سب دوستوں کو مدعو کیا تھا ۔ اس دعوت کی فہرست ۔۔۔ کی پیشانی پر لکھا تھا کہ یہ خاکسار بعد ایک قیام اٹھارہ برس کے بظاہر ہمیشہ کے واسطے ہندوستان کو جانے والا ہے امید ہے کہ آج میرے کل عنایت فرما جن کے نام نامی درج ذیل ہیں قدم

رہنبر فرما کر خاکسار کے ساتھ آخری ماحضر تناول فرما کر شکور و ممنون فرما دیں گے جس کسی کو یہ دعوت پہنچی بلا غنہ و ڈا چلا آیا۔ یہ دعوت میرے گھر میں میرے سوار ہونے سے نقطہ ایک گھنٹہ پہلے دوپہر کے وقت ہوئی تھی۔ میری جدائی سے حاضرین کے منہ پر رو و اشک جاری تھیں۔ ہر چند بہت لوگوں نے اس جلسہ مفارقت میں کچھ سیچ (تقریر) کرنا چاہا۔ مگر دو نقطہ سمجھنے کے بعد ہر کسی کی چپکلی بندھ جاتی تھی۔ میں خود بھی جو ایک تقریر طویل نصیحت آمیز کرنے کو تھا ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکا۔ اور دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس دن اتفاق سے جمعہ تھا۔ بعد تناول طعام مولوی یاقوت علی صاحب کے ساتھ آخری نماز جمعہ پڑھ کر گاڑیاں تیار کھڑکی تھیں۔ میں معہ لواحقین خود سوار ہو کر جزیرہ روس کو چلا آیا وہاں میرے ہمراہ بھی صد نامرد و عورت مجھے رخصت کرنے کو آئے تھے جب بوقت چار بجے شام کے میں معہ لواحقین خود مقام جزیرہ روس سے کشتی پر سوار ہو کر انگلنڈ کو چلا تو بشیرا خلعت خوشی اور رنج سے زار زار روتی تھی۔ اس وقت میرے ساتھ ایک میری بیوی اور آٹھ بچے معہ میرے کل دس نفرتھے اور قریب آٹھ ہزار روپیہ کے میرے قبضہ میں جائداد تھی۔ اس وقت میں اپنی اس حالت کو کہ جب میں ۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو اسی گھاٹ میں ایک لنگوٹی باندھ کر تنہا جہاز سے اترتا تھا اوصاف ایسی رنج اور غم کی جگہ سے معہ دس نفر اور آٹھ ہزار روپیہ کی جائداد کے واپس جاتا ہوں یا دکر کے قدرتِ خدا پر تعجب کرتا تھا کہ حکام دنیا نے مجھ کو بے خانماں کر کے سخت مزا کے واسطے یہاں بھیجا تھا مگر اس حکام

حقیقی نے کہ وہ اصل جس کے ہاتھ میں ساری دنیا اور مافیہا کا انتظام ہے دشمنوں کے ہاتھ سے میرے ساتھ کیسے سلوک کرائے اور مجھ ایک فرد واحد سے دس لاکھ میرے اہل بیت کے کر کے کس اعزاز اور اکرام سے مجھ کو واپس لے چلا۔ اور چونکہ یہ جہاز جس پر میں سوار ہونے کو تھا اسی جگہ کھڑا تھا جہاں وہ جہنا جہاز جو مجھ کو لے کر آیا تھا کھڑا ہوا تھا اور اس دن میں فجر کے وقت جہنا جہاز سے اترتا تھا اور آج شام کے وقت ہمارا فی اگنیوٹ پر سوار ہونا تھا اس واسطے مجھ کو شمارہ برس تک اس جزیرے میں رہنا ایک خواب و خیال معلوم ہوتا تھا اور ایسا خیال میں آتا تھا کہ میں آج فجر کو جہنا جہاز سے اترتا تھا اور آج ہی سوار ہو گیا۔ میں نے اپنے چلنے سے چند روز پہلے بقدر راہ خرچ کے اپنے پاس رکھ کر باقی کل نقد روپیہ کو جو اس وقت میرے پاس موجود تھے حسب سهام شرعی اپنی دونوں حویلیوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کے حوالہ کر دیئے اور آپ اس دولت دنیا سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میری ذاتی جائداد سوائے چند کتابوں اور چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ نہیں ہے جس قدر نقد و جنس و زیور وغیرہ میری جس حویلی کے قبضہ میں ہے وہ انہیں کا مال ہے۔ دوسری حویلی کا اس میں کچھ دعویٰ نہیں۔ قریب پانچ بجے شام کے ہم نے اگنیوٹ ہمارا فی نام پر سوار ہو کر ایک پہلے پر اپنا ڈیرہ کر لیا ہم لوگوں کے سوا اس جہاز پر اور بھی بہت سی رانی والی عورتیں اور مرد اور نیز بہت سے مسافر یورپین اور ہندوستانی سوار تھے۔ موسم نہایت عمدہ اور مسند بالکل قریب ٹھنڈا تھا سوچ اور ملاحظہ کا نام نہ تھا۔ اس دن محرم کی بھی دسویں تاریخ

اودھدی چودھویں شروع ہو گئی تھی۔ بوقت غروب آفتاب کے جہاز کانگر
 اٹھایا گیا اور ہم لوگوں نے چشم برآب ایک کے بعد ایک جزائر اندمان کو
 خیر باد کہہ کر پیچھے چھوڑنا شروع کیا۔ اب رات ہو گئی تھی چاندنی رات میں سمندر
 کی لہروں کی کیفیت بڑی آب و کھلا رہی تھی۔ دو سرے کے جزائر جزیرہ کوکو میں
 پہنچا۔ دو روز چلتے کے بعد کسی قدر پانی بھی برسا جس سے مسافروں کو کچھ تکلیف
 ہوئی۔ مگر جب جہاز تھوڑا آگے بڑھ گیا تو تکلیف رفع ہو گئی اور پانی بھی بند ہو گیا۔
 علی رضا نام ایک مشہور تاجر نے اس جہاز پر ہماری بڑی خاطر تواضع کی۔ دونوں
 وقت عمدہ کھانا گوشت مچھلی، چار کافی، برت اور قسم قسم کے میوے اور
 مٹھائیاں ہمارے واسطے ہر دم موجود رہتی تھیں۔ بڑے آرام و راحت کے
 سفر کیا۔ جس وقت مارے برسات کے سبب مسافر پانی میں تر بحر کانپ رہے
 تھے۔ اس وقت نور الدین نام ایک رٹائی والے کی عورت کو مدد نہ شروع
 ہوا۔ اور اس حالت میں کہ زچہ پانی میں شود بور کاٹھ رہی تھی اس کو پلوٹھا بچہ
 پیدا ہوا اور وہ وہاں اچھوالی کہاں اس دن شکل سے زچہ کو وال بھات ملا ہو گا
 مگر اس کو یا اس کے بچہ کو کچھ مرض ہوا بیماری دونوں تندرست تھے اور جب
 جہاز گلکتہ میں جا کر لنگر انداز ہوا اس بچہ کو نواسیدہ کی عمر صرف دو دن کی ہو گئی
 اس کی والدہ مع اپنے بچہ کے زندہ ناتی ہوئی جہاز سے اتریں۔ اور پھر گلکتہ سے
 اس کے مرنے ایک فلکٹ سیدھا لاہور تک کالیا۔ اسی حالت میں زچہ
 خوش و خرم رہا ہو گئی۔ اور بچہ کا نام بوجہ سمندریں پیدا ہونے کے سمندری
 رکھا گیا تھا۔ خیر بفضل الہی ہم چار دن اور چار رات کے سفر کے بعد ۱۳ نومبر

۱۸۸۳ء مطابق ۱۲ محرم سنہ ۱۳۰۳ء داخلِ مکہ ہوئے اور وہاں چھاپا پڑھا
 جاکر مولوی عبدالرؤف صاحب برادر مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان میں
 رہ کر تیسری شب کو بوقت ۹ بجے رات کے ہم بسواری ریل مکہ سے ہند کو
 روانہ ہو گئے اور مکہ سے الہ آباد اور وہاں سے کانپور کانپور سے علی گڑھ اور
 علی گڑھ سے سہارنپور اور وہاں سے انبالہ تک منزل در منزل ٹکٹ بلیتے ہوئے
 ۲۱ نومبر ۱۸۸۳ء کو بوقت ۹ بجے شب کے اسٹیشن کمپ انبالہ پر پہنچ گئے
 مکہ سے دو سہاوی ایک ٹائیک ہمارے اہل و عیال اور مال کی حفاظت
 کے واسطے بطور ادلی انبالہ تک ہمارے ساتھ آئے تھے۔ انڈمان میں بارہ ماہ
 موسم مختل رہنے کے سبب سے میرے بال بچوں نے اس سے پہلے کبھی
 جاڑا اگر می نہ دیکھا تھا۔ اسی واسطے آخر نومبر میں مکہ سے آگے بڑھ کر ان کو
 کسی قدر دی سے تکلیف بھی ہو گئی۔ مگر جس جس قدر موسم سرد اور سردیوں کا
 قریب ہوتا گیا اسی قدر ان کی طبیعت بھی اس کی عادی ہوتی گئی۔ بیس برس
 کے بعد اس زندان نفس اولادِ آدم سے ہر موسم میں جگہ بگہ کا ہوا پانی
 اور طرح بہ طرح کے موسمی میوے وغیرہ سے میرے بال بچوں کی طبیعت
 نہایت شادان اور فرحان تھی۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر سے انبالہ تک
 دن عید اور رات شب برات کی کیفیت رہی ایک دن وہ تھا کہ ہم ۲۲ فروری
 ۱۸۹۵ء کو جیل انبالہ سے زیرِ آہنی و جوگیا زلیماں و گلیم سیما سے
 آہستہ بیراستہ ہو کر زیرِ حراست پولیس انبالہ سے مغرب کو روانہ ہوئے تھے
 اور تیسے مصائب کھینچتے ہوئے ۱۸ جنوری سنہ ۱۸۹۵ء کو گیارہ ماہ بعد از ترحیل

انبیاء سے کاسے پانی میں داخل ہوئے تھے اور یا یہ دن ہوا کہ ہم بڑی آسائش سے دریائی سفر کو طے کر کے کلکتہ میں پہنچے اور وہاں سے ایک خاص درجہ میل میں بلا شرکت امدد سے سوار ہوتے ہوئے دس آدمیوں کے عیال اور نقد و جنس کو ساتھ لے کر مثل نوابوں کے عمدہ سلطانی بانات کا لباس پہنے ہوئے پورٹ سے چل کر گیارہویں دن مشرق سے آکر داخل انبالہ ہوئے۔ میری اس کیفیت اور شان امداد و اولاد اور مال و منال کو دیکھ کر خلعت کو تعجب اور تعجبوں کا منوس اور میرے ہوا خواہوں کو خوشی تھی اور راہ میں بھی جہاں جہاں میں اترتا ہر شہر کے مسلمان میرا نام سن کر میری ملاقات کو دوڑے چلے آئے اور میری کیفیت کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ اللہ جل جلالہ بڑا قادر و عظیم ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ راہ میں یا انبالہ میں جو جو آدمی میرے مقدمہ اور حالات سے واقف تھے وہ سب ہی کہتے تھے کہ تیرا اس ملک میں اس شان سے آنا مروجے کے زندہ ہونے سے کم نہیں ہے جو اس کو امت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ لاوے البتہ وہ دل اور آنکھ و ذوق کا اندھا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ یہاں میری ایک بیوی چھوٹی تھی کاسے پانی میں مجھ کو دو بیویاں غایت ہوئیں۔ یہاں میرے دو بچے چھوٹے تھے، وہاں آٹھ بچے مرحمت ہوئے اور سامان اور سبب نقد و جنس ہر ایک چیز کا نام بنام نعم البدل اس قید خانہ میں دے کر مجھ کو واپس لے آیا جیسے کہ یوب علیہ السلام کے مقدمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
وَاتَيْنَهُمُ اَمْهَلًا وَمَتَّعَهُمْ مَعَ رَحْمَةٍ مِنْ حُنْدِنَا وَكَوْنَالْمَا بِلَدِينِ
و یا ہم نے اُس کو کنبہ اس کا اور زیادہ دیے اس کو اس کنبہ کے ساتھ شل اس کی

یہ ایک زحمت تھی ہماری طرف سے اور ایک نصیحت تھی واسطے عابدوں کے۔
یہ آیت میرے حق میں بھی از سر تا پا صادق آئی، گلاس میرے قصد سے جہاں
بڑی روشن آیت آیاتِ الہی سے ہے صرف عابدین اور صالحین ہی کو ہر
اور نصیحت ہو سکتی ہے بسنکرین اور منافقین کو نہیں۔

باب (۱۳۸) وطن پہنچ کر

دوسرے دن فجر کو ہم شہرِ انار میں پہنچے اور وہاں کے حکامِ ضلع سے
اجازت لے کر کیپ انار میں اپنے آقائے قدیم کپتان ٹپل صاحب کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ جب میں کپتان ٹپل صاحب کے بنگلہ پر گیا وہ دوڑ کر میرے
ٹپنے کو باہر نکل آئے اور اندر لے جا کر مجھ کو موڑ سے پر بٹھایا اور بہت تسلی و
تشنی کی اور فرمایا کہ آج کی تاریخ سے ہم بیس روپیہ ماہوار تنخواہ تم کو اپنے
نچ سے دیا کریں گے۔ اور تمہاری نوکری کے واسطے بھی جلد اچھا بندوبست
ہو جائے گا۔ کپتان ٹپل صاحب کی سہی سے صاحب لوگ مجھ سے پڑھا
کرتے تھے۔ میرے یہاں پہنچنے کے سہارے بعد تک ٹپل صاحب نے یہاں
رہ کر مجھ کو قریب پچاس روپیہ ماہوار کے بندوبست کر دیا تھا۔ اپریل
مستطاب سے یعنی اس کے چلے جانے کے بعد سے وہ بندوبست ٹوٹ
گیا۔ بلکہ اس وقت سے نگرانی پولیس کی میرے اوپر مقرر ہو کر اور بھی سختی

بڑھ گئی۔

بعد پہنچے انبالہ کے جب میں نے اس سفر بہت سادہ کو ہند سے
پہایش کر کے دیکھا تو انبالہ سے چل کر باوا لاہور و بمبئی کا لے پانی تک
اور پھر کا لے پانی سے باہر کلکتہ انبالہ تک قریب سات ہزار میل کی مسافت
ہوئی۔ اور باستانہ بعض شمالی ہندو علاقہ ہند کے قریب تمام کے کل ہند
کا طواف ہو گیا۔ صمد بازار کھیمپ انبالہ میں ایک مکان کلا یہ کا لے کر معہ
عیال و اطفال خود اس میں آباد ہو گیا۔ جب میں سب سب باب صمد وری
خانہ داری کا خیر چکا تو ۱۱ دسمبر ۱۸۷۷ء کو ایک ہفتہ کی رخصت لے کر براہ
ریل اول دہلی گیا اور وہاں ایک شب رہ کر دوسرے دن شام کو یہ سوار کیا
کہ پانی پتہ پہنچا اور اتفاقاً حسن سے پورے بیس برس کے بعد وہی
۱۳ دسمبر میرے پانی پت سے دہلی کو بھاگ جانے کی تاریخ تھی کہ جب
میں ۲۰ برس پہلے تھا نیسر سے سوار ہو کر بوقت صبح اپنی بیوی کو پانی
پت میں چھوڑ کر اور پانی پت سے یکے پر سوار ہو کر دہلی کو بھاگتا تھا جب
میں پانی پت کی جانب مشرق و جنوب کی سڑک پر شام کے وقت دہلی
سے پانی پت کو چلا آتا تھا تو وہی سڑک اور وہی موسم اور وہی تاریخ
دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج فجر میں اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر
دہلی کو گیا تھا اور آج ہی واپس آ گیا۔ نیز مغرب کی نماز کے بعد میں
بقام پانی پت اپنے گھر میں پہنچا۔ میری بیوی اور لڑکے مجھ کو دیکھ کر باغ
باغ ہو گئے۔ بعد فرار میں لڑکے کو میں نے چند چھینے کا چھوڑا تھا اور

اس کو بیس برس کی عمر میں دیکھا۔ پانچ روز وہاں ٹھہرتے کے بعد پھر میں براہ کمال تھا نیسرا آیا اور ایک شب چند گھنٹے تھا نیسر میں ٹھہر کر پھر انبارہ کو لوٹ آیا۔

جس جس شہر میں یہ عاجز گیا ہزاروں خلقت اس شہر کی میرا آنا سن کر میرے دیکھنے کو آتی تھی اور تھا نیسر میں تو ایسا ازدحام خلایق کا ہوا کہ میں اس بات کو سونے بھی نہیں پایا۔ بلکہ بسبب تنگی وقت کے بہت سے آدمی میری ملاقات سے محروم رہ گئے۔ اور انبارہ میں چند مہینوں تک منزلوں سے لوگ میرے دیکھنے کو آتے رہے اور میرا منہ دیکھ کر خدا کی قدرت پر تعجب کرتے تھے۔ شہر تھا نیسر کو میں نے دیکھا کہ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء میں اس سے میرا قدم اٹھانا تھا کہ اس پر نعل شروع ہوا۔ اس بیس برس میں ساتویں حصہ سے بھی کم اس کی آبادی رہ گئی۔ مکانات گر کر راہ کو چے بند ہو گئے اور سبائے آدمیوں کے بندر اور چیلٹیوں نے اس میں اپنا دخل کر لیا۔ لیکن خداوند کریم نے مجھ کو قرآن سے معلوم کرا دیا کہ یہ شہر عنقریب بڑی دھوم دھام سے پھر دوبارہ آباد ہو گا۔ جب میں تھا نیسر میں گیا تو میں نے اپنے مولد اور مکان مسکن پر جا کر مالک مکان سے جو اس میں آباد تھا یہ عاجزی تمام یہ اجازت چاہی کہ اپنے زمانوں کو کسی ایک کمرے میں علیحدہ کر کے مجھ کو اس مکان کے اندرونی قطرات کی زیارت کر لینے دو۔ مالک مکان نے مجھ کو سخت کر کے بڑے اخلاق سے اندہ آنے کی اجازت دیدی۔

مجھ کو اس جگہ بھی قدرتِ الہی یاد آئی، کہ جس مکان کو میں نے خود ہزاروں روپیہ خرچ کر کے تعمیر کیا تھا اب اُس کے اندر میں قدم نہیں رکھ سکتا اب میں امید کرتا ہوں کہ خداوندِ کریم اس ہدیہ اور نذر مکان کو دیا سے پاک کر کے قبول کر لیں گے اور اس کا بدل کوئی مکان آخرت میں عطا کرے اب بعد اختتام اس کیفیتِ بست سارہ کے بعض انعاماتِ الہی کو ذکر کر کے میں اس کتاب کو ختم کر دیتا ہوں۔

باب (۱۳۹)

خاتمہ

ایک ان میں سے یہ ہے کہ تارِ پنج قید سے جہاں جس جگہ میں رہا کیسے اپنے سایہِ عاطفت اور انعام میں مجھ کو رکھا۔ بیس برس میں ایک دن بھی مشقت کرنے کی نوبت نہ آنے دی اور کاسے پانی میں میرے پہنچنے سے پہلے میری راحت کے سامان جمع کر رکھے تھے جہاں پر اُٹتے ہی کے دن مجھ کو بڑا عہدہ دار سرکار بنا دیا اور ہمارے کاسے پانی میں پہنچنے سے فقط چار پانچ برس پہلے اُن نئے جنار کا آباد ہونا اور اس سبب سے قوانین پورٹ بلیر کا قیدیوں کے واسطے نرم آمد آسان مقرر ہونا اور ہمارے دماغ داخل ہونے کے وقت تک جنگل کی کھائی اور جھلک امرات کا قلعی دھندہ ہو کر اس کا رشک کشمیر ہو جاتا اور پھر بیس برس تک بڑے

آرام اور عیش سے ہمارا دماغ رہنا اور ایسی جائے تا امید ہی سے باوجود
تعب حکام با شان و شوکت مال و اعلیٰ و مسیح و تندرست جیسے گئے
تھے اس سے بہتر حال میں واپس آ جانا۔ دوسرے اس ملک ہند میں
ہمارے واپس پہنچنے کے بعد بھی باوجود سخت مخالفت اور تباہی کے
آب و ہوا پورٹ بلیر انڈیا مان اور ہندوستان کے میرے بال بچے اب تک
صحیح و سالم اور تندرست ہیں۔ بلکہ اور دو بچے اس ملک میں آکر بھی میرے
گھر میں پیدا ہوئے، حالانکہ اور دوسرے بچے جو کالے پانی سے یہاں واپس
آئے۔ بہت ہی کم اس ملک میں زندہ رہے اور جب کوئی بیمار یا مستعدی
مرض اس ملک میں پھیلتا ہے تو یہ چھائی یا میرا گھر ہمیشہ اس سے محفوظ
رہتا ہے اور میرے یہاں پہنچنے کے بعد بارش و باران اور رزائی غلہ بھی
بنسبت زمین ملحقہ کے نہایت کثرت سے ہوتی۔ تیسرے جب بعد میں
برس کے اس جزیرے سے میری رہائی ہوئی تو یہ تعارضے بشریت مجھ کو
یہ فکر تھا کہ اس وقت میں ہندوستان میں جا کر کہاں رہوں گا اور کیا
کروں گا۔ کیونکہ مقام تھا تیسرے کل مکانات سکنی و اراضی و زمینداری
وغیرہ ضبط سرکار ہو کر نیلام ہو چکی تھی اور حکام منسلح انبالہ ہمارے اکثر
وہی پلانے رفیق تھے جنہوں نے ہم کو کالے پانی بھیجا تھا اگر ایسے وقت
تردد و انتشار میں اس تاجر کریم اور مقلب القلوب نے کیا ناپسندیدہ
جسٹریٹ کیپ انبالہ میں بلایا اور اس میری شہ و رخ واپسی میں کہ جب
ہر ایک انگریز میری صورت سے متفرق تھا بطور وکیل مدقوں میری طرف سے

لواتا رہا اور روزگار وغیرہ کی طرف سے بالکل مجھ کو فارغ البال کرادیا۔ اور جب ٹپل صاحب بوجہ تبدیلی خود اس ملک سے چلے گئے تو اس کے بعد خود بخود بلا میری درخواست کے ریاست ارتولی میں میرا روزگار قبول مقرر کر دیا کہ جہاں میں اب تک بڑے آرام اور آسائش سے نوکر ہوں۔ اور یہ بھی اس کا شکر ہے کہ یہ دونوں سبب میرے روزگار اور آسائش کے غیر مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوئے کہ جہاں سوائے تائید غیبی کے کوئی ظاہری گمان ہمدردی قوم وغیرہ کا بھی موجود نہیں ہے۔ ہمارے ہندوستان میں واپس آنے کے بعد جو نگرانی پولیس وغیرہ ہمارے اوپر مقرر ہوئی تھی اول تو اس کو بذمہ داری و ضمانت خود کپتان ٹپل صاحب نے میرے اوپر سے اٹھوا دیا تھا۔ اور بعد تبدیلی کپتان ٹپل صاحب کے محض بہ تائید غیبی بطوری مفارقت کسی بشر کے وہ احکامات نگرانی وغیرہ بند کر دیے۔ چٹھی نمبری ۱۸۰ مورخہ ۶ فروری ۱۹۵۵ء منجانب سکریٹری گورنمنٹ پنجاب بنام صاحب کشتن قسمت دہلی میرے اوپر سے اٹھوا دیے گئے۔ حالانکہ میرے پانچوں رفقاء جیل یعنی مولوی عبدالرحیم وغیرہ پر سے وہ احکامات نگرانی ابھی تک بھی نہیں اٹھائے گئے۔ یعنی اللہ اب میں قطعی آنا دہوں۔ جہاں چاہوں رہوں اور جو چاہے روزگار کروں۔ بے ضرورت کاروبار ریاست میں لاہور اور کلکتہ کے مابین میں ہمیشہ دورہ سیر میں رہتا ہوں۔ بلکہ عنقریب ایک مقدمہ ریاست ارتولی کی پیروی میں میرا ولایت جانے کا بھی ارادہ ہے جہاں ان شاء اللہ تعالیٰ ڈاکٹر منظر صاحب

اور دوسرے موافق اور مخالف صاحب لوگوں سے ملاقات کر کے اس قدرت الہی کا حق سے اعتراف کرائوں گا۔ جب میں کچھ ہی انبالہ کے اس مقام کو دیکھتا ہوں کہ جہاں مجھ کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تھا اور یا جب جبل انبالہ کے پاس سے نکلتا ہوں جس میں ڈیڑھ برس تک قید رہا تھا اور یا ان سڑکوں پر گزرتا ہوں کہ جہاں سے بعد میں نے حکم پھانسی کے ہم کو جبل خانہ کو لے گئے تھے۔ تو قدرت الہی کو دیکھ کر میرا دل مل جاتا ہے اور یہ خیال ہو جاتا ہے کہ ہرگز سنائے جانے حکم پھانسی کے کسی کو گمان تھا کہ پھر میں اس کرب و عدالت میں یا ان مقاموں پر کبھی کھلا ہوا ہے روک ٹوک پھر ونگا ہرگز کسی بشر کو گمان کیا اس کا وہم بھی نہ تھا۔ یہ فقط اُس رب قدیر کا کام ہے کہ یہ سارے تماشے گرم مرد زمانے کے دکھلا کر اس اپنے نالائق مفرد و غلام کو پھر جیسے کا جیسا اس ملک میں لا کر پھیلے سے وہ چند لوگوں کی آنکھوں میں معرزا اور تمازا کر دیا ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اس قصہ کو ایک کہانی یا ایک مثل ایک فوجداری کا ترجمہ ہی نہ سمجھو بلکہ یہ قصہ ایک بڑی آیت آیات الہی سے ہے۔ اس کو بار بار چست ملاحظہ کر کے عبرت پکڑنا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں ایسے ہی قصہ کی نسبت فرماتے ہیں۔ لقد مکات فی قصصہم حبرۃ لا ولی الا للباب (ترجمہ) تحقیق ان کے قصوں میں ایک عبرت اور نصیحت ہے عملندوں کے واسطے اور فیمل حکم زبانی و اما بنعمة ربک فحدث (ترجمہ) اپنے رب کے انعاموں کو لوگوں میں بیان کرو۔

میں نے جملہ اقسام کی تلاہری اور بالینی خداوند عالین جل جلالہ و علم کمالہ
 کو بقدر اپنی سمجھ کے بطور اختصار کے لکھ کر ملک کے سامنے پیش کر دیے تھے
 اب یہ آخری دعا ہے کہ خداوند کریم اس محنت اور مشقت اور ان تکالیف
 قید کو زیا سے پاک کر کے قبول فرماوے۔ اور ناظرین کو اس قصہ سے عبرت
 الفصیحت ہوتی رہے۔ آمین۔ *اللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ تَحْوِيلِ عَمْرٍ وَّ*
نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ وَدَّعَمَ۔

حالات

مولانا یحییٰ علی صاحب

از سیرت سید احمد شہید مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا عبد الرحیم صاحب صادق پوری نے درمنثور میں آپ کے جیل کے جو حالات لکھے ہیں ان سے آپ کی عظمت اور اس جماعت کی سیرت و اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے :

ہمارے مولانا کا صبر و استقلال اس وقت کا قابل دید تھا۔ شب کو آپ اور میں ایک جگہ رہتے آپ پچھلی شب معمول نماز و دعا وغیرہ میں مشغول رہتے اور اکثر اشعار عاشقانہ و یوان شاہ نیاز و عاتقہ وغیرہ کے پڑھتے اور ایک وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی۔ ہم لوگ سب ہر شش ہفتہ ہوتے اور آپ نہایت مسرور و خوش۔ آپ کے چہرہ بشرہ سے کچھ بھی آشکار نہ ہو سکتا تھا۔ ذکر اللہ سے رطب اللسان ہوتے آپ اکثر اس شعر کو بھی جو حضرت خضیب صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے مترنم ہوتے۔

فلست ابالی حين اقتل مسلماً
على ابي شق كان في الله مصرعي
وذلك في ذات الاله وان يشاء
بيارز على اوصال مثلو ممزعي

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی اس کیفیت
و جدی و صبر و شکر کا ایک شہ بیان کر سکوں اور اس کی تصویر کھینچ کر
ہدیہ ناظرین کرنا تو یہ امر محال ہے۔

چنانچہ ہمارے اس قیدِ تنہائی میں پھر ٹھینا د و ڈھائی جینے سے
اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان ایام کو آپ نے بسر کیا۔
اور جب سپاہی پہرے والا یا اور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے
سامنے آجاتا، ہندو یا مسلمان سب کو آپ تو حید باری کا وعظ سناتے
اور عذاب سناتے اور آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ الغرض
ایک عجیب طرح کا فیض آپ کا اس قیدِ تنہائی میں بھی جاری تھا۔ سپاہی
جو پہرے کے واسطے آتا وہ سکھ ہو یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا آپ
اس آیت کریمہ کا وعظ سناتے۔ اذ اباب متفردون خیر امر
الله الواحد القہار۔ سپاہی کھڑا رہتا۔ اور جب اُس کے پہرے
کی بدلی ہوتی تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا۔ میں کچھ
لکھ نہیں سکتا کہ کس قدر فائدہ اس وقت پہرے والوں کو پہنچا اور
کتنے موحّد ہو گئے۔ اور کتنے ابائی دین کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ لا یدلہ

اللاہ۔

آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہوا۔ آپ کا جسم مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے۔ ان پر کسی کی حکومت نہ تھی۔ بجز اس حاکم حقیقی کے۔ اگر دوسمنٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا، آپ امر معروف و نہی عن المنکر بجالاتے۔ آپ حمد و ثنائے باری میں شب و روز مصروف رہتے اور کام مغموم نہ سرکاری کو بھی باحسن وجہ انجام کرتے۔ مثل اُور قیدیوں کے تساہل و تساہل کو کام میں نہ لاتے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ جب تم سرکاری کھانا کھاتے ہو اور کپڑا پہنتے ہو اور مکان میں رہتے ہو تب ضرور ہے کہ سرکاری کام کو انجام دو۔ اور قیدی لوگ جو جیل کے اندر حکم عدولی اور بد معاشری کرتے اس سے ان کو روکتے۔ اور نصیحت کرتے۔ صدق قیدی اس جیل میں ایسے نیک چلن ہو گئے کہ جن کو دیکھ کر اہل کاران جیل حیران رہ جاتے چونکہ جیل خانہ میں مجمع بدکاروں اور چور ڈاکوؤں وغیرہ کارٹا کرتا ہے۔ آپ کا وعظ بھی انہیں احوال ذمیمہ کے بیان میں ہوتا اور توحید و تاکید صدم و صلوٰۃ کی ہوتی۔ صدق چور اور ڈاکوؤں نے توبہ کی کہ اب کبھی اس پیشہ کو نہ کریں گے۔ آپ ان کو عذاب دائم مقیم سے ڈراتے۔ صدق موصدا در نمازی ہو گئے۔

لیک بلوچ ڈاکو کا ماجرا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا نام مرزی تھا۔

اس کے آبا و اجداد سے چوری اور ڈکیتی کا پیشہ چلا آتا تھا۔ وہ نہایت قوی ہیکل جوان تھا۔ اس نے جیل خانہ میں آکر بھی بہت کچھ مشاوری کی تھی۔ سرکاری کام ہرگز نہیں کرتا تھا۔ صدیاً بیت اس کو لکھائے گئے مگر اس نے اُفت نہیں کی۔ اپنی بد چلتی سے باز نہیں آیا۔ بیڑی اور ڈنڈا ہتھکڑی اور طوق و قید تنہائی وغیرہ جو کچھ سزا و ناں ہے وہ سب اس پر عمل میں لایا گیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ داروغہ و جہدار سب اس سے ڈرتے وہ ان کو بھی موقعہ پا کر ہتھکڑی سے پیٹ دیتا۔ خدا کے حکم سے آپ کا بستر اور اس کا ایک ہی جگہ ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ آپ کی تینتہا زندگی سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کیفیت بدل گئی۔ اس نے سرکاری مشقت کئی شروع کر دی اور ایک نیک چلن بن گیا کہ داروغہ وغیرہ سب متحیر ہو گئے۔ ہتھکڑی اور طوق وغیرہ سب اس سے دور کر دیے گئے اور پارچہ بانی کے کارخانہ میں وہ داخل کر دیا گیا کہ جہاں دائم الجس اور بڑے بڑے بیجاوی کام کیا کرتے تھے اور عمدہ کام کرنے اور زیادہ کام کرنے پر سال میں دو ایک ماہ قید عات بھی ملا کرتی ہے اس نے وہاں جا کر بہت پارچہ بانی کا کام سیکھ لیا اور نہایت عمدہ کپڑے بنائے لگائے۔ جب میں لاہور کے جیل میں گیا خود اس نے اس مری بلوچ کو دیکھا کہ پانچوں وقت نماز قید میں پڑھتا اور اپنے اعمال گذشتہ کو یاد کر کے خوف خدا سے اکثر روتا۔ اسے بھائیو میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے جب اس کو دیکھا ایک دلی پایا۔ اس قسم کے آدمی بہت سے مایوس ہیں میں نے یہ ایک تمثیل

بیان کیا الغرض آپ کا وجود باوجود اس قید خانہ میں واسطے ہدایت قیدیوں کے بھیج دیا گیا تھا۔ کہ ہزاروں فیضیاب ہو گئے۔ اہل کابل جیل اس کلمات کو آپ کے دیکھو دیکھو کر نہایت متحیر و شجب ہوتے۔ تمام ہندو آپ کو دیوتا اور اوتار کہتے اور مسلمان ولی سمجھتے۔ اتوار کا روز جو فرست کا قیدیوں کے ہوتا ہے فجر کو بعد ملاحظہ ڈاکٹر آپ کے پاس مجمع ہو جاتا۔ آپ حسب حال ان قیدیوں کے بد کاریوں سے بچنے احتیاط چلنی اور توحید الہی کا بیان فرماتے اور موسم وصلوۃ کی تاکید کرتے۔

پنی لائبریری

۳/-	طالب هاشمی	تذکرہ حضرت خواجہ اجییری	★
۳/۸	طالب هاشمی	تذکرہ حضرت شوٹ اعظم	★
۲/-	طالب هاشمی	عبدالله بن زبیر	★
۱/۱۰	سید امین الدین	تذکرہ حضرت علی ہجویری	★
۱/-	مولانا آزاد	شہید اعظم	★
۳/۸	مولانا آزاد	ام الکتاب	★
۱/۳	مولانا آزاد	امحباب کیف	★
	نوکب سلطانه	فرح شامی دسر خوان	★
۱/۸	آئوٹر سلطانه		
۱/۸	مہارقی میر	انتخاب کلام میر	★
۲/-	عبدالغنی	درد و دروس	★
۱/۸	اسیرم انہونی	سلنہ	★